عزت وذلت کا اصل معیار
الحكم الاصلى حول الاموال والاعراض ودماء الكافرين فى الشريعة
شریعت میں کفار کے جان ومال اور عزت کے حوالے سے ''حکم اصلی''
ترتیب وتدوین
شیخ ابو محمد الیاس المہاجر

’’الحکم الاصلی حول الاموال والاعراض
ودماء الکافرین فی الشریعۃ‘‘
شریعت میں کفار کے جان ومال اور
عزت کے حوالے سے ’’حکم اصلی‘‘

عزت وذلت
کا
اصل معیار

ترتیب و تدوین:
شیخ ابو محمد الیاس المہاجر

کتاب کا نام: عزت وذلت کا اصل معیار

ترتیب وتدوین: شیخ ابو محمد الیاس المہاجر ؒ

طبع اوّل: جمادی الاولیٰ۱۴۳۳ھ بمطابق اپریل۲۰۱۲ء

تعداد: ۱۵۰۰

ناشر: مکتبہ معارف الدین،لاہور

فہرست

(باب اوّل):اصول وضوابط

(باب دوم):استثنائات

(باب سوم):شبہات کا رد

حقیقت حال

گیارہ ستمبر۲۰۰۱ء کا دن وہ سورج لے کر طلوع ہوا جس نے اس دنیا کی تاریخ کو پلٹ کر رکھ دیا ۔چار مسافر طیارے امریکی فضاؤں میں اڑے اور ان میں سوار چند نوجوانوں نے ان جہازو ں پر قبضہ کیا اوران کو عالمی تجارتی و عسکری عمارات سے ٹکرادیا جس کے نتیجے میں بچوں اور عورتوں سمیت ہزاروں امریکی موت کی نیند سلادیئے گئے۔

چونکہ ایک عرصہ دراز سے کفار خاص کر امریکہ اور یورپی ممالک (نیٹو)نے مسلمانو ں کا عرصہ حیات تنگ کررکھا ہے جس کو مکمل احاطۂ تحریر میں لانا ناممکن ہے۔بیت المقدس پر غاصبانہ قبضہ اورہزاروں فلسطینیوں کے قتل عام میں اسرائیل کی ہر ممکن مدد سے لے کر عراق کے مسلمانوں پر معاشی پابندیوں اور استحصال کے نتیجے میں تقریباًدس لاکھ عراقی بچوں کی ادویہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے موت کے منہ میں جانے تک،باقی خلیجی جنگ میں لاکھوں عراقیوں کا قتل تو کسی شمار ہی میں نہیں ہے صرف بغداد کے علاقہ میں ’’عامریہ ‘‘کی پناہ گاہ میں پانچ ہزار سے زائد مسلمان ایک ہی میزائل حملہ میں جاں بحق ہوگئے تھے ۔ پھر اس کے بعد جزیرہ العرب ،جس کو رسول اللہ ﷺنے یہود ونصاری کے لئے ممنوع قرار دیا تھا، اس میں اپنے لاؤلشکر کے ساتھ قبضہ جمانا اور حرمین شریفین کی اطراف اپنے فوجیوں کی تعیناتی ،یہ سب کچھ ان مظالم کی ادنیٰ سی جھلک ہے ۔

ان ساری وجوہات کو بنیاد بناکر فلسطینیوں کے قتل عام اور عراقی مسلمانوں کو بے رحم طریقے سے ابدی نیند سلانے کا انتقام لینے اور بیت المقدس اورحرمین شریفین کی حفاظت اوربازیابی کے نام پر مسلمانوں کے ایک گروہ نے:

’’خون کا بدلہ خون،تباہی کا بدلہ تباہی ‘‘

کے فلسفے کواپنایا اور پھر گیارہ ستمبر کا واقعہ رونما ہوگیا یہیوں اس فلسفے کی بنیاد پر وجود میں آنے والے واقعے نے پوری دنیا کو ہلاکر رکھ دیا،چاہے ان پڑھ ہو یا اہل دانش، سب ہی سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ آخر ماجرا کیا ہے ؟چنانچہ اس مسئلے کے بارے میں اصل حقائق سمجھنے اور اس بارے میں شریعت کا حکم جاننے کے لئے سب ہی نے اہل علم کی طرف رجوع کیا ؟

چنانچہ مسلمانوں کے اہل علم و دانش دو گروہوں میں تقسیم ہوگئے ہاکثریت نے اس اقدام کو غیر شرعی قرار دیتے ہوئے اس کو ’’دہشت گردی ‘‘سے تعبیر کیا اور مسلمانوں کو کفار کے ساتھ مل کر اس ’’دہشت گردی ‘‘کے خاتمے کے لئے مل جل کر کردار ادا کرنے کا حکم جاری کیا ہشیخ الازہر محمد سیّد طنطاوی کے بتاریخ یکم رجب۱۴۲۲ھ کو صادر ہونے والے فتوے میں کہا گیاکہ:

’’پر امن لوگوں پر حملے جیسا کہ نیو یارک میں عالمی تجارتی مرکز میں ہوا،بلاشبہ وہ دہشت گردی، ظلم اور بعینہ دھوکہ دہی ہے‘‘ہ

اورامریکہ کی طرف سے افغانستان پر متوقع حملے کے بارے میں پوچھا گیا، تو انہوں نے کہا کہ:

’’ہر ملک کو حق حاصل ہے کہ وہ اُس پر حملہ کرنے والے سے اپنا دفاع کرےہاور بلاشبہ اسلام تو

ظلم کے ساتھ سرکش حملہ آور،ظلم اور دہشت گردی کے خلاف کھڑا ہوتا ہے۔ لٰذا، جس ملک پر بھی حملہ ہوا، تو ہم مسلمان ہونے کے ناطے اُس کے ساتھ کھڑے ہوں گے کہ جس پر حملہ ہوا۔ اِس سے قطع نظر کہ وہ امریکہ یا اُس کے علاوہ کوئی ملک ہو‘‘۔

اور انہوں نے سختی سے کہا کہ:

’’قطعی دلیل کے ساتھ ثابت ہونے والے دہشت گردانہ کاموں اور قتل کے مرتکب افراد کا محاسبہ کرنا ضروری ہے‘‘۔

سعودیہ کی اعلی فیصلہ ساز کمیٹی کے سربراہ الشیخ صالح اللحیدان کا بتاریخ ۱۔۷۔۱۴۲۲ ھ کا فتویٰ ہے، جس میں اُنہوں نے کہا:

’’دوسروں یعنی امریکیوں کے ساتھ احسان(نیکی)کرنا اور مظلوم یعنی امریکا کی مدد کرنا اور ظالم یعنی افغانوں کو حق کے ساتھ نہ کہ ظلم کے ساتھ، مغلوب کرنا جرائم کے قلع قمع کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے‘‘۔

اور انہوں نے کہا کہ:

’’بلاشبہ ان دھماکوں سے متأثرہ لوگوں کے لئے مدد کا ہاتھ بڑھانا، اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر، یہ بنی نوع انسان کے ساتھ احسان ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور بلند اسلامی اخلاق کے اجاگر کرنے کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے‘‘۔

جب اُن سے اس جیسے حادثات میں خون کے عطیات دینے اور مالی امداد دینے جیسی کوششوں کے بارے میں

پوچھا گیا، تو اُنہوں نے یہ حدیث’’ہر جاندار کی مدد کرنے میں اجر ہے‘‘اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان کہ:

﴿وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلَىٰ حُبِّهِ مِسْكِينًا وَيَتِيمًا وَأَسِيرًا﴾

’’اور اللہ تعالیٰ کی محبت میں کھانا کھلاتے ہیں مسکین، یتیم اور قیدیوں کو‘‘۔

(الدھر:۸)

کا ذکر کرتے اور یہ کہ (آیت میں مذکورہ)قیدی کافر تھا، اُنہوں نے کہا:

’’اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر، کافر کی زندگی بچانا، بنی نوع انسان کے ساتھ نیکی کرنا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے اور بلند اسلامی اخلاق کو اجاگر کرنے کے وسائل میں سے ایک وسیلہ ہے۔ اور کسی ایسے مسلمان کے اعلیٰ اخلاق کا مظہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین (حق)پر ایمان رکھتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ گناہ ہے بلکہ اللہ کے حکم سے اس شخص کے لیئے اجر وافر ہوگا کہ جو مظلوم کی مدد کرے گا خواہ وہ (مظلوم)کافر ہی ہو‘‘۔

شیخ یوسف القرضاوی کے جنہوں نے ان کاروائیوں کو شریعت میں حرام قرار دیتے ہوئے کہا کہ:

’’ہم تمام مسلمانوں کو ترغیب دلاتے ہیں کہ وہ امریکا میں ہونے والے ان حملوں کا شکار ہونے والے بے گناہوں کے لیئے خون کے عطیات دیں‘‘۔

ایک اور فتویٰ ''رابطہ عالم اسلامی''کی طرف سے ڈاکٹر عبد المحسن الترکی نے ۲۹۔۰۶۔۱۴۲۲ ھ کو ان کاروائیوں کی مذمت کرتے ہوئے کہا:

''بلاشبہ اسلامی ملکوں کے عوام، دہشت گردی کے اس جرم جو ریاستہائے متحدہ (امریکا)اور دوسرے ملکوں میں ہوا کی اسلامی نظریات کے مطابق مذمت کرتے ہیں۔ جس کے شرعی قواعد کسی مسلمان کے لئے یہ حرام قرار دیتے ہیں کہ وہ خود قاتل بنے یا قتل یا لوگوں کو دہشت زدہ کرنے یا خوفزدہ کرنے یا اُنہیں ایذاء پہنچانے کے وسائل میں سے کوئی ایک وسیلہ بنے کیونکہ یہ سب کچھ حرام سرکشی کے زمرے میں آتا ہے''۔

اور اس نے مزید کہا کہ:

''بلاشبہ عالمی امن وسلامتی کا تقاضا ہے کہ ہر قسم کے حملے پر پابندی کے عالمی قانون کا جلد از جلد نفاذ کیا جائے''۔

اور''ھیئة الکبار العلماء وادارة البحوث العلمیة والافتاء''کے سربراہ کے سربراہ سعودی مفتی سماحہ الشیخ عبد العزیز آل شیخ کا فتویٰ ہے۔ جس میں اُنہوں نے کہا:

''بلاشبہ ریاستہائے متحدہ امریکامیں ہونے والے دھماکے اور اُس سے تعلق رکھنے والے دوسرے کام جیسے طیّاروں کا اغواء یا پر امن لوگوں کو خوفزدہ کرنا یا لوگوں کا ناحق قتل کرنا ، یہ سب صرف اور صرف ظلم وجبر اور سرکشی کی مثالیں ہی ہیں۔ اور اس طرح کے تصرفات تو حرام اور کبیرہ گناہ ہیں''۔

اور ا نہوں نے تاکیداً کہا کہ:

’’بلاشبہ جو خطرناک حادثہ نیویارک اور واشنگٹن میں ہوئے کہ جن کے نتیجے میں ہزاروں جانیں ضائع ہوئیں۔ یہ ایسے کام ہیں کہ جنہیں شریعتِ اسلامی تسلیم نہیں کرتی اور نہ یہ اس دین کا حصّہ ہیں اور نہ ہی یہ اُس کے شرعی اُصولوں سے موافقت رکھتے ہیں‘‘۔

اور’’خلیج تعاون کونسل‘‘کے ملکوں نے ۵ ۔ ۷ ۔ ۱۴۲۲ ھ بروز اتوار کو اپنے اجلاس میں یہ یقین دلایا کہ وہ نیویارک اور واشنگٹن میں ہونے والے حملوں کے مرتکب افراد کے تعیّن کے سلسلے میں ریاستہائے متحدہ امریکا کی مدد اور اُس سے مکمّل تعاون کریں گے۔ اور کونسل نے اپنے اس بیان میں کہ جو کہ سعودیہ کے شہر جدّہ میں چھ ملکوں کے وزرائے خارجہ کے ہنگامی اجلاس کے اختتام پر جاری ہوا میں کہا گیا کہ:

’’کونسل کے ارکان، دہشت گردانہ اعمال کے مرتکب افراد کے تعیّن اور انہیں انصاف کے کٹہرے میں لانے کے لیئے عالمی کوششوں کے ساتھ مل کر تعاون اور مدد کا یقین دلاتے ہیں‘‘۔

اس کے برعکس چند اہل علم ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے اس کاروائی کو عین اسلامی قرار دیااور اس کی بھر پور حمایت کی اور امریکہ کے افغانستان پر متوقع حملے کے پیش نظر مسلمانوں کو امریکہ اور دیگر کفارممالک کا ساتھ نہ دینے کا فتویٰ جاری کیا۔ان میں سرفہرست نامور سعودی عالم دین شیخ حمود عقلاء الشعیبی،شیخ یوسف العیری،شیخ ناصر بن فہد اور پاکستان کے مشہورعالم مفتی نظام الدین شامزئی کے نام قابل ذکر ہیں۔

اور اس دوران امریکی صدر بش نے ۱۶ستمبر ۲۰۰۱ء بمطابق ۲۸/۰۶/۱۴۲۲ ھ کو ایک پریس کانفرنس میں امریکی عوام کے نام کا اعلان اِن الفاظ سے کیا:

" This crusade, this war on terrorism is going to take a long time"

’’یہ ایک صلیبی جنگ ہے، یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف ہے جو ایک لمبے عرصے تک جاری رہے گی‘‘۔

پھر اُس نے کہا کہ:

’’امریکیوں کو اب صبر کو لازم پکڑنا چاہیے‘‘۔

’’نیشنل ریویو‘‘نامی امریکی مجلّے نے ’’بلاشبہ یہ ایک جنگ ہے،ہمیں اُن کے ملکوں پر حملہ کرنا چاہیے‘‘کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

’’یہ وقت اُن دہشت گردانہ کاروائیوں میں ملوث افراد کی جگہوں کو تلاش کرنے میں ضائع کرنے کا نہیں، ان کاروائیوں کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں کہ جن کے چہروں پر نیویارک اور واشنگٹن کے حملوں کا سن کر مسکراہٹ آئی ہمیں لمبی چوڑی تحقیقات یا جرم کے اسباب کے لئے دلیلوں کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ عالمی اتحاد کی ضرورت ہے۔ ہماری اُمت پر ایک بنیاد پرست مجرم گروہ نے حملہ کیا ہے۔ ہم پر واجب ہے کہ اُن پر اُن کے ملکوں میں حملہ کریں، اُن کی قیادت کو قتل کریں اور انہیں مسیحیت قبول کرنے پر مجبور کردیں‘‘۔

چناچہ ۸ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ نے اقوامِ متحدہ کی چھتری تلے افغانستان پر حملہ کردیااور تقریباًدو مہینے میں پچاس ہزار افغانی مسلمانوں کاخون بہہ گیا اور اس کے بعد ’’تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی تلاش ‘‘کے نام پر۲۰۰۳ء ایک بار پھر عراق پر دھاوا بول دیا گیا اور اس دوران لاکھوں عراقی مسلمان قتل ہوگئے۔

ایک بار پھر وہ گروہ جو ’’خون کا بدلہ خون،تباہی کا بدلہ تباہی ‘‘پر یقین رکھتا تھا اس نے’’جواب آں غزل‘‘کے مصداق یکے بعد دیگرے امریکہ اور یورپی ممالک میں مختلف قسم کے حملے جاری رکھے جن میں قابل ذکر لندن اور اسپین کے شہر میڈرڈ میں کئے جانے والے حملے تھے جن میں ان ممالک کے عام شہری بھی بشمول عورتوں اور بچوں کے نشانہ بنے اور پھر یوں نہ رکنے والی جنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا۔

اور اس کے ساتھ ہی اس بحث کا بھی آغاز ہوگیا کہ کیا کافروں کی طرف سے مسلمانوں کے بچوں اور عورتوں کے قتل عام کے بدلے میں کفار کے بچوں اور عورتوں کا نشانہ بنانا جائز ہے؟ اور جس طرح انہوں نے مسلمانوں کی املاک نقصان پہنچایا اور ان کے علاقوں کو برباد کیا تو کیا مسلمان کے لئے بھی اس کے بدلے میں ایسے کام کرنا جائز ہے؟

اس صورتحال میں ایک مسلمان کے لئے یہ جاننا ضروری ہوگیا کہ شریعت کی نگاہ میں ایک کافر کا مقام اور مرتبہ کیا ہے؟کب اس کی جان و مال اور عزت ایک مسلمان کے لئے حلال ہوجاتی ہے؟اور مسلمانوں کے گروہ میں سے کون سا گروہ حق پر ہے اور کس کی بات درست ہے؟

زیر نظر تحریرمیں دراصل ان ہی بنیادی سوالات کا مختصر جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ ایک

مسلمان کے سامنے ایک کافر کے مال وجان اور عزت کے حوالے سے شریعت کا اصل حکم سامنے آسکے جس کے ذریعے وہ خیر و شر کے درمیان چلنے والے گھمسان کے معرکوں میں اپنے کرداراور مقام کو پہچان سکے اور اس بارے میں شریعت کے حکم سے لاعلمی کی بناء پر وہ کہیں کفر کی حمایت میں ان کفار کی صفوں میں کھڑا نظر آئے اوریوں اپنے دین و ایمان سے ہاتھ دھوکر اپنی دنیا و آخرت برباد کردے۔

باب اول

ایک اٹل حقیقت

جب سے آدمؑ نے اس دنیا میں قدم رکھا تو اس کے بعد انسانوں کے دو گروہ وجود میں آگئے۔ایک توحید کا علمبردار اور اللہ رب العزت کا وفادار گروہ ہے جو کہ ’’مسلمان‘‘ کہلایا اور دوسرا اللہ کی و حدانیت کے انکار ی اور اس سے باغی گروہ ہے جس کو شرعی اصطلاح میں’’ کافر ‘‘کہا جاتا ہے۔اس حقیقت کو قرآن یوں بیان کرتاہے:

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ﴾

’’وہی اللہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا پھر تم میں سے کوئی کافرہے اور کوئی مومن‘‘

(التغابن:۲)

توجولوگ اللہ کی وحدانیت کے اور اس کے رسولوں کے اور ان کی لائی ہوئی شریعت کے کافرہوگئے تو اللہ کی نگاہ میں وہ سب سے بدترین مخلوق ٹھہرے، اور جنہوں نے اللہ کی واحدانیت کا اور رسولوں کی رسالت کااقرار کیا اوراللہ کی عطاکردہ شریعت کی پاسداری کی تووہ سب سے بہترین مخلوق قرار پائے۔قرآن اس حقیقت کو یوں بیان کرتاہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اُولٰۗىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّةِ○اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰۗىِٕكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ﴾○

’’بے شک جنہوں نے کفر کیا چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے تو وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ رہیں گے اور یہی لوگ سب سے بدترین مخلوق ہیں۔بے شک جو لوگ ایمان

لائے اور صالح اعمال کئے تو وہی لوگ بہترین مخلوق ہیں‘‘۔

(البینۃ:۶۔۷)

حقیقت میں بہترین مخلوق تو وہ قرار پائے جو ایمان لے آئے مگر جنہوں نے انکار کیا تووہ تمام مخلوقات میں حتیٰ کہ جانوروں سے بھی بدترین مخلوق ٹھہرے۔اسی حقیقت کو قرآن یوں بیان کرتا ہے:

﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَھُمْ لاَ یُؤْمِنُوْنَ﴾

’’بے شک اللہ کے نزدیک مخلوق میں سب سے بدترین وہ ہیں جوکفر کریں ،پھر وہ ایمان نہ لائیں‘‘۔

(الانفال:۵۵)

﴿ اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ﴾

’’یہ(کافر)جانوروں کی مانند ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر‘‘۔

(الاعراف:۱۷۹)

اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے یہود کے قبیلہ بنوقریظہ کو مخاطب کرکے فرمایا تھا:

((یا اخوۃ القردۃ والخنازیر))

’’اے بندراور خنزیروں کے بھائیوں!‘‘۔

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم،ج۱۰،ص۱۱۷،رقم الحدیث:۴۳۰۱)

حضرت عمرؓ نے صلح حدیبیہ کے وقت حضرت ابوجندلؓ کو جب ان کے باپ ان کوقید کرکے واپس مکہ لے جارہے تھے تو ان کی طرف تلوار کا دستہ کرکے ارشاد فرمایا تھا:

((أَنَّ دَمَ الْكَافِرِ عِنْدَ اللّٰهِ كَدَمِ الْكَلْبِ))

’’اور بے شک کافر کا خون اللہ کے نزدیک کتے کے خون جیساہے (کہ جس کے مارنے میں کوئی حرج نہیں)‘‘۔

(فتح الوهاب،ج۲ص۳۲۰)

ان حقائق کے نتیجے میں یہ بات واضح ہوئی کہ حقیقت میں اس دنیامیں اُس انسان کو جینے کا حق حاصل ہے جوکہ کلمہ توحیدیعنی اللہ کی واحدانیت اور اس کے رسولوں کی رسالت کااقرار کرتے ہوئے اسلام کے دائرے کے اندر آجائے،تو جس نے یہ اقرار کیا تو اس کا مال وجان اور عزت محفوظ ومامون ہوگئی اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کے مال وجان اورعزت کی کوئی حیثیت اورحرمت نہیں یہی وہ حقیقت تھی جس کو سمجھانے کے لئے انبیاء ورسل آتے رہے اور یہی وہ منہج تھا جس پر رسول اللہﷺبھی کاربند ہوئے:

((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّى نَفْسَهُ وَمَالَهُ اِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ))

’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لاالہ الا اللہ کہہ دیں،پس جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو اس نے اپنے مال اور جان کو مجھ سے بچالیا ،مگر یہ کہ کسی حق کے بدلے میں،اور اس کا باقی حساب اللہ پر رہے گا‘‘۔(صحیح البخاری،ج۱۰،ص:۹۷،رقم الحدیث:۲۷۲۷)

الحکم الاصلی فی الاموال والاعراض ودماء الکافرین فی الشریعة

شریعت میں کفار کے جان ومال اور عزت کا’’حکم اصلی‘‘

اسی بناء پر قرآن کریم ،احادیث مبارکہ اور اس کی روشنی میں سلف و صالحین کے اقوال و فتاوی کے مطابق شریعت میں کفار کے بارے میں حکم کا خلاصہ یہ ہے کہ:

’’ہر کافرکے بارے میں شریعت کا ‘‘حکم اصلی’’یہ ہے کہ وہ حربی (جنگجو)ہے اور اس کی جان و مال اور عزت ایک مسلمان کے لئے حلال ہے جب تک کہ اس کا شرعی بنیادوں پر غیرِحربی ہونا ثابت نہ ہوجائے،چاہے یہ غیر حربی ہونا دار الاسلام سے کسی معاہدے کی وجہ سے ہو،یا مسلمانوں کی طرف سے امان دیئے جانے کی وجہ سے ہو،یا پھردار الاسلام کے تحت ان کا ذمی بن جانے کی صورت میں ہو،یا پھر اُن صورتوں میں سے کوئی ایک ہوجن کی وجہ سے شریعت نے ان کو استثنیٰ(exception)دیا ہوا ہوجیسے کہ کفار کی عورتیں ،بچے ،بوڑھے وغیرہ،لیکن بعض صورتوں اور وجوہات کی بنیاد پر یہ استثنائات(exceptions)بھی ختم ہوجاتے ہیں جیسا کہ ان کفار کی عورتوں ،بچوں ،بوڑھوں وغیرہ میں سے کسی کا مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کسی بھی طرح شریک ہونا ،یا پھر معاہدے کی خلاف ور زی کرنا ،یا پھر شریعت کااستہزا ء،یاپھر ان کادیگر

کفار میں گڈمڈ ہوجانا ،یا کفار کا ان کو ڈھال بنالینا یاپھر معاملہ بالمثل کی وجہ سے،تواس صورت میں ان کی بھی جان اور مال کی حرمت اٹھ جاتی ہے‘‘۔

چنانچہ شریعت کی طرف سے ہر کافر کے بارے میں دیئے جانے والے اس حکم کو تفصیلاً سمجھنے کی کوشش کریں گے تاکہ مسلمانوں کے ذہن میں پائے جانے والے باطل نظریات و شبہات کا رد کیا جاسکے اور ایک کافر کے بارے میں شریعت کا حکم واضح ہوسکے کہ اس دنیا میں اس کا اصل مقام (Status)کیا ہے؟

مسلمان اور کافر کے مال وجان کی حرمت کے درمیان فرق:

بلاشبہ شریعت نے مسلمانوں کے خون، ان کی عزتوں کی پامالی اور ان کے اموال کو مباح کرنا یا انہیں کسی بھی قسم کا بالواسطہ یا بلاواسطہ نقصان پہنچانا حرام قراردیا ہے ، ماسوائے کسی شرعی سبب کے ۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِءٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ أَنْ لَا اِلَـہ اِلَّا اللّٰہُ وَأَنِّى رَسُولُ اللّٰہِ اِلَّا بِاِحْـدَى ثَلَاثٍ النَّفْسُ بِـالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِى وَالْمَارِقُ مِنْ الدِّينِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ))

’’کسی مسلمان آدمی کا خون حلال نہیں ماسوائے تین حالتوں میں سے کسی ایک کے ، جان کے بدلے جان، شادی شدہ زانی اور دین(اسلام)کو چھوڑ کر جماعت میں تفرقہ ڈالنے والا(یعنی مرتد)‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۲۱،ص۱۷۱،رقم الحدیث:۶۳۷۰)

لہٰذا یہ وہ حالتیں ہیں کہ جن میں کسی مسلمان کا خون بہانا جائز ہوتا ہے مگر فقہاء کے نزدیک حدیث میں یہ حکم صرف انہی تین حالتوں پر منحصر نہیں بلکہ یہاں اللہ کے رسول ﷺ نے صرف مثال کے طور پر تین حالتوں کا بیان کیا ہے۔

تو اصل بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی جان ،مال اور عزتوں کے بارے میں اصل حکم’’حرمت‘‘کا ہے یعنی وہ ہر صورت حرام ہیں مگر یہ کہ کسی شرعی جوازمثلاً قصاص یا ارتداد یا حد کے بغیر حلال نہیں ہوسکتیں۔

لیکن کفار کی جان مال اور عزتوں کے بارے میں اصل حکم’’حلت‘‘کا ہے یعنی وہ حلال ہیں مگریہ کہ کسی عہد یا ذمہ یا اَمان کے بغیر حرام نہیں ہوتیں۔اس کے ساتھ ان کی عورتیں ، بچے ، بوڑھے، مزدور اور جولڑ نہیں سکتے اس شرعی حکم سے خارج ہیں کیونکہ ان کے مستثنی ہونے کے دلائل موجود ہیں ۔لیکن کفار کے بوڑھوں بچوں اور عورتوں کے قتل کی حرمت مطلق(عام)نہیں ہے بلکہ چند مخصوص حالات میں انہیں بھی قتل کرنا جائز ہے جس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مال و جان کے حرمت کی اصل وجہ:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا اِلٰهَ الَّا اللّٰهُ فَمَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَدْ عَصَمَ مِنِّى نَفْسَهُ وَمَالَهُ اِلَّا بِحَقِّهِ وَحِسَابُهُ عَلَى اللّٰهِ))

’’مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے قتال کروں یہاں تک کہ وہ لاالہ الا اللہ کہہ دیں۔پس

جس نے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تو اس نے اپنے مال اور جان کو مجھ سے بچالیا ،مگر یہ کسی حق کے بدلے میں،اور اس کا باقی حساب اللہ پر رہے گا‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۱۰،ص:۹۷،رقم الحدیث:۲۷۲۷)

((لكُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُہُ وَمَالُہُ وَعِرْضُہُ))۔

’’ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان کا خون اور مال اوراس کی عزت حرام ہے‘‘۔

(صحیح مسلم ،ج۱۲،ص:۴۲۶،رقم الحدیث:۴۶۵۰)

((أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا اِلَہَ اِلَّا اللَّہُ فَاِذَا قَالُوهَا وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلُوا قِبْلَتَنَا وَذَبَحُوا ذَبِيحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّہِ))

’’مجھے اس وقت تک لوگوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جب تک وہ لا الہ الا اللہ نہ کہہ دیں پھر جب وہ یہ کہہ دیں اور ہماری جیسی نماز پڑھنے لگیں، اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کرنے لگیں اور ہمار ذبیحہ کھا لیں تو یقیناً ان کے خون اور مال حرام ہو گئے، مگر اس حق کی بناء پر جو اسلام نے ان پر مقرر کردیا ہے، باقی ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۲،ص:۱۵۱،رقم الحدیث:۳۷۹)

((قَالَ سَأَلَ مَيْمُونُ بْنُ سِيَاہٍ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ يَا أَبَا حَمْزَةَ مَا يُحَرِّمُ دَمَ الْعَبْدِ وَمَالَہُ فَقَالَ مَنْ شَهِدَ

أَنْ لَا اِلَٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَصَلَّى صَلَاتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَهُوَ الْمُسْلِمُ لَہٗ مَا لِلْمُسْلِمِ وَعَلَيْہِ مَا عَلَى الْمُسْلِمِ))۔

’’میمون بن سیاہ نے انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ اے ابوحمزہ!وہ کون سی چیز ہے، جس سے آدمی کا جان ومال دونوں دست درازی سے محفوظ ہو جاتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا جوشخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہمارے قبلے کی طرف منہ کرے اور ہماری جیسی نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھالے تو وہ مسلمان ہے، اس کے وہی حقوق ہیں، جو مسلمان کے ہوتے ہیں اور اس کے ذمہ وہی باتیں واجب ہیں، جو مسلمان کے ذمہ ہوتی ہیں ‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۲،ص:۱۵۱،رقم الحدیث:۳۷۹)

درجہ بالا احادیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ جب ایک شخص اسلام میں داخل ہوجاتا ہے تو اس کے جان و مال اورعزت کو اس وقت تحفظ حاصل ہوجاتا ہے ہتو فقہی قاعدہ ’’مفهوم المخالفة‘‘کے تحت اس بات کا یہ نتیجہ نکلا کہ اس سے پہلے یعنی اسلام لانے سے پہلے اسکا خون اور ان کا مال کو کوئی تحفظ حاصل نہیں تھابلکہ حلال تھا۔کیونکہ اگر اس شخص کے خون اور ان کے مال کواسلام لانے سے پہلے تحفظ حاصل ہوتا تو مندرجہ بالا احادیث تومسلمان کے جان اور مال کے تحفظ کے حوالے سے بے فائدہ اور بے معنی ہوکر رہ جاتی ہیں ۔

کفر کا وصف ہی ایک انسان کو’’حربی‘‘بنادیتا ہے :

درجِ بالا احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ یہ’’ایما ن‘‘ہی ہے جو اہلِ ایمان کے جا ن ومال کو تحفظ دیتا ہے اور یہی چیز ہے جو تفریق کرتی ہے ان اہل ِ ایمان کو اور ان کی حرمت کو کافروں سے اور’’کفر‘‘کا وصف ہونا ہی وہ چیز ہے جو ایک انسان کو’’کافر ‘‘بنادیتاہے اور حلال کردیتا ہے اس کی جان ومال کو اور ان کی حرمت کو اٹھادیتا ہے۔

امام شافعیؒفرماتے ہیں:

’’بأن اللّٰہ تبارک وتعالی حرم دم المؤمن ومالہ الا بواحدة ألزمہ ایاها وأباح دم الکافر ومالہ الا بأن یؤدی الجزیة أو یستأمن الی مدة‘‘

’’اللہ تبارک وتعالیٰ نے مومن کا خون اور مال حرام کیا ہے سوائے ایک الزام کے جووہ اپنے اوپر لے(یعنی مرتد ہوجائے)اور کافر کا خون اور مال مباح رکھا ہے سوائے اس کے کہ وہ جزیہ اداکرے یا اس کو ایک مدت کے لئے امان مل جائے‘‘۔

(الآم،ج۱،ص۳۰۱)

امام شافعیؒ ہی کفار پر شب خون مارنے کے دوران بچوں اور عورتوں کے نشانے بن جانے کے حوالے سے فرماتے ہیں:

((ومعنی قولہ ’’منهم‘‘انهم یجمعون خصلتین ان لیس لهم حکم الایمان الذی یمنع بہ الدم ولا حکم دار الایمان الذی یمنع بہ الغارة علی الدار‘‘

’’اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہ کہنا ہے کہ(هم منهم))’’یہ انہی میں سے ہیں‘‘کا مطلب یہ ہے کہ ان میں دو خصوصیا ت ہیں،ایک یہ کہ ان پر’’ایمان ‘‘کا حکم نہیں ہے (یعنی مسلمان نہیں ہیں)جس

سے ان کا خون حرام ہوجائے،نہ تو ان پر دارالاسلام میں رہنے کا حکم لگتا ہے جس سے ان کے گھروں پر حملے کرنے کی ممانعت ہو‘‘۔

(الرسالة:۲۹۹)

فقہاء کرام نے متفقہ طور پر یہ شرعی اصول بیان فرمایا ہے کہ:

’’لِأَنَّ دَمَ الْكَافِرِ لَا يَتَقَوَّمُ الَّا بِالْأَمَانِ‘‘

’’کافر کے خون کی کوئی حیثیت نہیں مگر یہ کہ جب اس کو امان مل جائے‘‘۔

(رد المختار،ج۱۵،ص۴۴۵۔بدائع الصنائع،ج۱۵،ص۲۸۴۔ الدر المختار،ج۴،ص۸۰۳)

امام ابن تیمیہ ؒفرماتے ہیں:

’’وان كان كافرا حربيا فان محاربتہ أباحت قتلہ وأخذ مالہ واسترقاق امرأتہ‘‘

’’اور اگر کافر جنگجو ہو تو بلاشبہ اس کے جنگجو ہونے نے ہی اس کے قتل ، اس کے مال لینے اور اس کی عورت کو لونڈی بنانا مباح کردیا‘‘۔

(مجموع الفتاوى لابن تيمية،ج۳۲،ص۳۴۳)

امام ابن قدامہؒفرماتے ہیں:

’’لان الاصل اباحة دم الكافر وعدم الامان‘‘

’’اصل یہ ہے کہ کافر کا خون مباح ہے جبکہ اس کے پاس امان نہ ہو‘‘۔

(الشرح الکبیر،ج۱۰،ص۵۶۰)

امام ابن ِ نحاس ؒایک کافر کے حربی ہونے کے حـوالے سے فرماتے ہیں کہ المغنی کے مصـنف امـام ابن قـدامہؒ نے فرمایا:

’’مَنْ ضَلَّ الطَّرِیقَ مِنْهُمْ،أَوْ حَمَلَتْہُ الرِّیحُ اِلَیْنَـا،فَهُـوَ لِمَنْ أَخَذَہُ فِی اِحْدَی الـرِّوَایَتَیْنِ ؛ لِأَنَّہُ مَتَـاعٌ أَخَـذَہُ أَحَـدُ الْمُسْـلِمِینَ بِغَیْـرِ قُـوَّةِ مُسْـلِمٍ،فَكَـانَ لَہُ،كَالْحَطَبِ،وَالرِّوَایَةُ الثَّانِیَة ، یَكُونُ فَیْئًا‘‘

’’جوکـافر بھی اپناراسـتہ کھـو بیٹھے یـا ہـوا اسـے ہماری طرف لے آئے (کشتیوں کی صورت میں)تـو یہ کافر(اوراس کا مال)اُس مسلمان کـا ہے جس کے ہاتھ میں وہ آجـائے دو روایتـوں میں سـے ایـک کے مطابق،اور دوسـری روایت یہ ہے کہ وہ مـالِ فۓ ہے‘‘۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴۔المغنی،ج۲۱،ص ۱۸،رقم:۷۴۹۱)

امام ابن ِ نحاسؒفرمـاتے ہیں کہ المغـنی کے مصـنف امام احمدؒکا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں:

’’وَسُـئِلَ عَنْ مَـرْكَبٍ بَعَثَ بِہِ مَلِـكُ الـرُّومِ،فِیہِ رِجَالٌ،فَطَرَحَتْہُ الـرِّیحُ اِلَی طَرْطُـوسَ،فَخَـرَجَ اِلَیْهِ أَهْـلُ طَرْطُـوس،فَقَتَلُـوا الرِّجَـالَ،وَأَخَـذُوا الْأَمْـوَالَ؟ فَقَال:هَذَا فَیْئٌ الْمُسْلِمِینَ ، مِمَّا أَفَاءَ اللّٰہُ عَلَیْهِمْ ۔ ‘‘

’’امام احمد بن حنبل ؒسے پوچھا گیا(کـافروں کے) ایـک بحـری جہاز کے بـارے میں جس کـو روم کے بادشاہ نے روانہ کیا جس میں لوگ تھے۔ پھـر ہو ا

نے اسے ’’طرطوس‘‘کی طرف پہنچا دیا،تو اہلِ طرسوس نکلے اور ان لوگوں کو قتل کردیا اور ان کے مالوں کو لوٹ لیا،تو انہوں نے کہا :’’یہ مسلمانوں کے لئے مالِ فے ہے،جس کو اللہ نے انہیں عطا کیا‘‘

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴۔المغنی،ج۱۲،ص ۸۲ ،رقم:۷۵۵۲)

امام احمد بن حنبل ؒسے مزید سوال کیا گیا:

’’وَعَنْ الْقَوْمِ يَضِلُّونَ عَنْ الطَّرِيقِ،فَيَدْخُلُونَ الْقَرْيَةَ مِنْ قُرَى الْمُسْلِمِينَ ، فَيَأْخُذُونَهُمْ ؟فَقَالَ يَكُونُونَ لِأَهْلِ الْقَرْيَةِ كُلِّهِمْ ، يَتَقَاسَمُونَهُمْ۔ ‘‘

’’اور ان سے پوچھا گیا(کافروں میں سے) ان لوگوں کے بارے میں جو اپنا راستہ کھوبیٹھیں پھر ایک بستی میں جاپہنچے جو کہ مسلمانوں کی بستیوں میں سے ہواور کوئی مسلمان انہیں گرفت میں لے لے؟تو انہوں نے جواب دیا :’’تو یہ بھی اس بستی کے لوگوں کا اجتماعی مال ہے اور وہ اس کو آپس میں تقسیم کرلیں‘‘۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴۔المغنی،ج۱۲،ص ۸۲ ،رقم:۷۵۵۲)

امام السرخسی ؒفرماتے ہیں:

’’(قَالَ):وَسَأَلْتہ عَنْ الرَّجُلِ يَأْسِرُ الرَّجُلَ مِنْ أَهْلِ الْعَدُوِّ هَلْ يَقْتُلُہُ أَوْ يَأْتِي بِہِ الْإِمَامَ؟ قَالَ:أَيُّ ذَلِکَ فَعَلَ فَحَسَنٌ ؛ لِأَنَّ بِالْأَسْرِ مَا تَسْقُطُ الْإِبَاحَةُ مِنْ دَمِہِ حَتَّى يُبَاحَ لِلْإِمَامِ أَنْ يَقْتُلَہُ فَکَذَلِکَ يُبَاحُ لِمَنْ أَسَرَہُ کَمَا قَبْلَ أَخْذِہِ وَلَمَّا قُتِلَ أُمَيَّةُ بْنُ خَلَفٍ بَعْدَ مَا أُسِرَ يَوْمَ بَدْرٍ لَمْ يُنْكِرْ ذَلِکَ رَسُولُ اللَّہِ صَلَّى اللَّہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ

عَلَى مَنْ قَتَلَہُ ، وَإِنْ أُتِیَ بِہِ الْإِمَـــامُ فَہُـــوَ أَقْــرَبُ الَی تَعْظِیمِ حُـرْمَۃِ الْإِمَـامِ ، وَالْأَوَّلُ أَقْـرَبُ الَی اظْہَـارِ الشِّدَّۃِ عَلَى الْمُشْرِکِینَ،وَکَسْرِ شَـوْکَتِهِمْ فَیَنْبَغِی أَنْ یَخْتَارَ مِنْ ذَلِکَ مَا یَعْلَمُہُ أَنْفَعَ وَأَفْضَلَ لِلْمُسْـلِمِینَ ‘‘

’’اور جب میں نے (امام ابو حنیفہ ؒ سے)پوچھا ایک شخص کے بارے میں جو دشمن میں سے کسی کو پکڑتا ہے تو وہ اس کو قتل کرے یا اس کو امام کے پاس لائے تو امام ابو حنیفہ نے جواب دیا ’’دونوں میں سے جو بھی کرے وہ اچھا(صحیح)ہے ،کیونکہ قیدی بنانے کی صورت میں کوئی چیز اس کے خون کے مباح ہونے کو ختم نہیں کرتی ،تو امام اس کو قتل کرسکتا ہے ،پس یہ قیدی بنانے والے کے لئے بھی جائز ہے جیساکہ قیدی بنانے سے پہلے (اس کا قتل جائز)تھا ،اور جب امیہ بن خلف بدر کے روز قیدی بنانے کے بعد قتل کیا گیا تو رسول ﷺنے قتل کرنے والے (حضرت بلال رضی اللہ عنہ)پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور اگر وہ اس کو امام کے پاس لے جائیں تو یہ امام کے مقام کے احترام کے زیادہ قریب ہے جبکہ جو پہلی بات ہے (یعنی اسے قتل کردینا)یہ مشرکین پر شدت کے اظہار اور ان کی طاقت توڑنے کے زیادہ نزدیک ہے ،تو اسے چاہیے دونوں میں سے جو چیز مسلمانوں کے لئے زیادہ سود مند ہو اسے اختیار کرے‘‘۔

(المبسوط،ج۱۲،ص۳۳۷)

مشہور مصری عالم دین اوراخوان المسلمین کے مرشد عام شیخ عبدالقادر عودہ شہیدؒ’’حربی ‘‘کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’دار الحرب کے باشندوں کی دو قسمیں ہیں :(۱)حربی (۲) مسلمان ....حربی دار الحرب کے وہ باشندے ہیں جو اسلام پر ایمان نہ رکھتے ہوں اور حربیوں کا حکم یہ ہے کہ ان کو اسلام کی جانب سے کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے اور اگر ان کے اور دار الاسلام کے درمیان کوئی معاہدہ یا صلح نہ ہو تو ان کا جان و مال مباح ہے ،کیونکہ جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ اسلام میں (مال و جان کے)تحفظ کی دو صورتیں ہیں ،قبول اسلام اور امان‘‘۔

(اسلام کا فوجداری قانون،جلد اول صفحہ ۳۷۱۔ اسلامک پبلشر)

صرف جنگ میں شریک شخص’’حربی‘‘نہیں ہوتا:

مسلمانوں کی طرف سے اگر کافر کے ساتھ کوئی معاہدہ ہو یا اس کو پناہ دی گئی ہویا پھر جزیہ دینے پر آمادہ ہوگیا ہو تواس کوبالترتیب معاہد، مستأمن اور ذمی کہتے ہیں.........اس کے برعکس وہ کافر جس سے نہ کوئی معاہدہ ہواور نہ ہی اس کو پناہ دی گئی ہو اور نہ ہی وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو اس کو’’محارب‘‘یا ’’حربی ‘‘ کہتے ہیں۔

یہ بات بھی جان لینا ضروری ہے کہ کافروں پر یہ تعریف (محارب یا حربی)تب بھی لاگو ہوتی ہے جب کہ کفار مسلمانوں کے خلاف حالتِ جنگ میں بھی نہ ہوں،کیونکہ کافر کی یہ تعریف تین صورتوں یعنی معاہد،مستامن یا ذمی کے علاوہ صورتوں پر ہے کیونکہ یہ ساری صورتیں اس کے خون اور جان کی حفاظت کرتی ہیں لیکن یہ تعریف مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے سے مشروط نہیں ہے۔چنانچہ کفر کا وصف ہی

وہ چیز ہے جوکہ کافروں کی جان اور مال کو حلال کردیتی ہے۔ صرف چند صورتیں ایسی ہیں جو کہ ان کے جان اور مال کا تحفظ کرتی ہیں(کفر کی موجودگی کے باوجود)جیسے ذمی بن جانا۔ اسی وجہ سے علیؓ فرماتے ہیں :

’’وَقَدْ قَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ:اِنَّمَا بَذَلُوا الْجِزْيَةَ لِتَكُونَ دِمَاؤُهُمْ كَدِمَائِنَا،وَأَمْوَالُهُمْ كَأَمْوَالِنَا‘‘

’’بے شک انہوں (کافروں)نے جزیہ اسی لئے دیا تاکہ ان کا مال ہمارے مال کی طرح ہوجائے اور ان کا خون ہمارے خون کی طرح ہوجائے (یعنی ان کو تحفظ مل جائے)‘‘۔

(المغنی ،ج۲۰،ص۴۶۷۔ در المختار،ج۴ص۔۴۰۳)

کافر کی جان ومال کی حرمت کب ہوتی ہے؟

اس سے پہلے کہ ہم ’’کافر ‘‘کے بارے میں حکم شرعی کو مزید جانیں ،ہم ان استثنائی صورتوں کو اجمالاًسمجھ لیتے ہیں جن کی وجہ سے کافرکو عارضی استثنیٰ مل جاتا ہے اور اس کی جان و مال اور عزت کو عارضی تحفظ مل جاتا ہے۔وہ تین صورتیں درج ذیل ہیں:

(۱) معاہد

(۲) مستأمن

(۳) ذمی

اس بات کو امام ابن القیمؒ یوں بیان فرماتے ہیں:

’’ثم کان الکفار معہ بعد الأمر بالجهاد ثلاثة أقسام أهل صلح وهدنة وأهل حرب وأهل ذمة ‘‘

’’پھر جہاد کے واجب ہونے کے بعد کفار کی تین قسمیں ہوگئیں(جن کو امان ملی)صلح ومعاہدے والے ، جنگ کرنے والے اور ذمّی لوگ‘‘۔

(زادالمعاد۱۵۹ /۳)

(۱) معہدکا مطلب:

دار الاسلام کا جن کافروں سے مقررہ یا غیر مقرہ مدت کے لئے معاہدہ ہوجائے تو ان کو بھی امان حاصل ہوجاتی ہے۔ اور ان کے بھی مال وجان کو تحفظ حاصل ہوجاتا ہے۔واضح رہے کہ اکثر فقہاء کرام کفار سے کسی بھی معاہدہ کی مدت دس سال سے زیادہ مقررکرنے کوصحیح نہیں سمجھتے کیونکہ اس صورت میں جہاد معطل ہوکر رہ جائے گا اور دوسرا یہ کہ یہ معاہدہ غیر شرعی بنیادوں پر نہ ہوں جیسے کہ مسلمانوں کے خلاف کافروں سے کسی بھی قسم کا معاہدہ کرلینا۔

(۲) مستأمن کا مطلب:

کسی بھی کافر کو اگر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دے دے تو اس کافر کو تمام مسلمانوں کی طرف سے امان حاصل ہوجاتاہے۔ اور اس کے جان ومال کوبھی تحفظ حاصل ہوجاتا ہے۔البتہ اگر وہ بھی کسی جرم کا مرتکب ہوتو اس کو اس کے جرم کے مطابق سزا ملے گی۔

(۳)ذمی کا مطلب:

ذمی وہ ہوتا ہے جوکہ ایمان نہ لائے لیکن مسلمانوں کواپنے مال میں سے ایک مقررہ حصہ جس کو شرعی اصطلاح میں ’’جزیہ‘‘کہا جاتا ہے، سال بھر میں ایک دفعہ دیتارہے۔لیکن یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ شریعت نے جزیہ دینے کا معاملہ صرف اہل کتاب اور مجوسیوں تک مخصوص رکھا ہے۔جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشادہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لاَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلاَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلاَ يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ وَلاَ يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ ﴾

’’ان لوگوں سے لڑتے رہوجو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے (اور)جو اللہ اور اس کے رسول کے حرام کردہ شے کو حرام نہیں جانتے،نہ ہی دین حق کو قبول کرتے ہیں ،ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی تھی ، یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہوکر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں‘‘۔

(التوبة:۲۹)

باقی دوسرے قسم کے کافروں کے لئے مثلاً مشرکین کے لئے تو سوائے معاہدے یا امان کے سوا کوئی اور جائے پناہ نہیں ہے۔شیخ عبدالقادر عودہ شہیدؒان تینوں صورتوں کے بارے میں فرماتے ہیں :

’’وہ حربی جن کا دار الاسلام سے کوئی معاہدہ نہ ہو تو وہ دار الاسلام میں داخل نہیں ہوسکتے اور اگر کوئی حربی دار الاسلام میں آجائے تو اس کی جان ومال مباح ہے ،اسے قتل کرکے اس کا مال سلب کیا جاسکتا ہے اور اس کو قید کرنا اور معاف کردینا بھی جائز ہے۔اور اگر کوئی حربی دارالاسلام میں اجازت سے یا مخصوص امان کی

بناء پر یا کسی معاہدہ کے تحت داخل ہو تو وہ مستامن ہے اور اس کے جا ن ومال وقتی طور پر محفوظ ہوجائیں گے ،کیونکہ اس کی امان بھی وقتی ہے دائمی نہیں ہے۔اس کو اجازت ہے کہ وہ دارالاسلام میں اپنی جان ومال کی حفاظت کے ساتھ قیام کرلے جس عرصے کی اسے امان ملی ہے ۔جب اس کی مدت امان ختم ہوجائے گی تو وہ دوبارہ حربی بن جائے گا جیسے کہ اگر وہ دارالاسلام چھوڑ جاتا تو اس کا جان و مال غیر محفوظ قرار پاتا ،البتہ اگر وہ(امان کی مدت ختم ہونے کے بعد)اپنے ارادے سے دار الاسلام میں رہے تو بعض اصحاب اس کو حربی قرار دیتے ہیں اور جبکہ بعض اس کو ذمی خیال کرتے ہیں ،اس لئے کہ وہ اپنے اختیار سے دار الاسلام میں رہ رہا ہے اور اس وجہ سے اس کے جان ومال دائمی طور پر محفوظ ہوگئے ہیں‘‘۔

(اسلام کا فوجداری قانون،جلد اول صفحہ ۳۷۱)

یہاں ایک بات ملحوظ خاطر رہے کہ کافر کو جب ان تین میں سے کوئی ایک استثنا ء حاصل ہوتو اس کامطلب ہر گز یہ نہیں ہے کہ اس کوہر قسم کی چھوٹ مل گئی اور اب وہ جو چاہے کرتارہے۔ فقہاء کرام نے اُن تمام چیزوں کے متعلق تفصیلاً احکامات اپنی فتاویٰ اور تصانیف میں بیان کردیئے ہیں جن کی وجہ سے ان کو حاصل یہ استثنیٰ بھی ختم ہوجاتا ہے اور ان کی پچھلی حیثیت یعنی حربی ہونابحال ہوجاتی ہے۔ جیساکہ مسلمانوں کے خلاف کسی دوسرے کافر کی مدد کرنا،شریعت کا استہزاء،رسول اللہ ﷺکی شان میں گستاخی وغیرہ۔

کفارکے مال کو لوٹنا اور ان کا خون بہانا جبکہ ان سے کوئی لڑائی نہ ہو:

جہاں تک تعلق ہے کفار کے مال کاتو وہ دوعمومی طریقوں سے مسلمانوں کی ملکیت بن سکتا ہے:

پہلی صورت.........یہ ہے کہ ان کفار کے مال کا حصول لڑائی کے نتیجے کے طور پر ہو جیسے کہ جب مسلمان کفار کے خلاف جنگ کرنے جائیں اور فتح حاصل کریں اور قبضے میں لے لیں ان کے مال،جائیداد،عورتیں،اور بچوں وغیرہ کو غنیمت کے طور پر۔

دوسری صورت.........یہ کہ جب یہ حاصل ہوں بغیر کسی لڑائی کے جیسے وہ خود اپنی مرضی سے اپنی حفاظت کو یقینی بنانے کے لئے مسلمانوں کو خیراج دیں اور یہ ہے ذمہ،جزیہ یا اکراہ کے ساتھ،یا پھر وہ کفار خود اپنا مال چھوڑجائیں اور مسلمان اسے حاصل کرلیں یا کسی بھی اور طریقہ سے اور یہ ہے ’’مال ِ فے‘‘۔

امام السانانی ؒفرماتے ہیں:

’’الْفَيْئُ مَا أُخِذَ بِغَيْرِ قِتَالٍ ‘‘

’’مالِ فے وہ ہے جو بغیر لڑائی کے حاصل ہو‘‘۔

(سبل السلام،ج۶،ص۲۰۵)

اور ابن ِ کثیرؒفرماتے ہیں :

’’یقول تعالی مبینًا لما الفیئ وما صفتہ؟ وما حکمہ؟ فالفیئ فکلّ مال أخذ من الکفار بغیر قتال ولا ایجاف خیل ولا رکاب‘‘

’’اللہ تعالیٰ نے بتا دیا واضح طور پر کہ مال ِ فے کیا ہے ؟اور اس کی تعریف کیا ہے ؟اور اس کا حکم کیا ہے؟تو مالِ فے وہ تمام اموال ہیں جو کفار سے حاصل کئے جائیں بغیرلڑائی کئے ہوئے ، گھڑ سواروں،یا اونٹ سواروں کے ذریعے لشکر کشی کئے بغیر ۔‘‘

(تفسیر ابن کثیر،ج۸،ص۶۵۔تفسیر سورۃ الحشر)

چناچہ الناطقی بیان کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے تھے:

’’اگر کوئی فرد تنہا (ہی)دار الحرب میں داخل ہوگیا اور اس نے(کافروں سے مال چھین کر)وہاں سے غنیمت حاصل کرلیااور اس علاقے میں اور کوئی مسلمان سپاہی نہیں تھے تو پھر اس (مال غنیمت)پر پانچویں حصے کاحکم لاگو نہیں ہوگا۔ ایسا صرف اس صورت میں ہوتا ہے جب نو (۹)سے کم آدمی ہوں۔جب آدمیوں کی تعداد نو تک پہنچ جائے تو پھر وہ سریہ (فوجی دستہ)شمار ہوگا‘‘۔

(امام انور العولقی شہیدرحمہ اللہ کے مشہور فتوے ’’دار الحرب میں کفار کو ان کے اموال سے محروم کئے جانے کا حکم‘‘کے اردو ترجمے سے اقتباس)

امام المرغنانی ؒاپنی کتاب ’’الھدایہ‘‘میں فرماتے ہیں:

’’اگر ایک یا دو افراد اما م کی اجازت کے بغیر دار الحرب میں داخل ہوں اور (کافروں)سے کچھ حاصل کرلیں تو پھر اس مال پر پانچویں حصے کے حکم کا اطلاق ہوگا‘‘۔

(امام انور العولقی شہیدرحمہ اللہ کے مشہور فتوے ’’دار الحرب میں کفار کو ان کے اموال سے محروم کئے جانے کا حکم‘‘ سے اقتباس)۔

اور عبدالرحمان السعدی کہتے ہیں :

’’مالِ فۓ کی تعریف فقہی اصطلاح کے مطابق یہ ہے کہ کفار کا مال حاصل کیا جائے حق کے ساتھ بغیر لڑائی کئے ہوئے جیسا کہ (بنو نضیر کے اموال)کہ وہ جھوڑ جائیں فرار ہوتے ہوئے مسلمانوں کے خوف کی وجہ سے تووہ مالِ فئے کہلایا ۔کیونکہ یہ لوٹادیا گیا کافروں سے جو اس مال کے حقدار نہیں تھے مسلمانوں کو جو اس مال کے زیادہ حقدار تھے‘‘۔

(رسالہ فی الحکم الاصلی فی دماء واموال واعراض عن الکفار،ص:۱۹)

امام ابن تیمیہ ؒمال فئے کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’صَارَ لَفْظُ ’’الْفَیْئِ‘‘اذَا أُطْلِقَ فِی عُرْفِ الْفُقَہَاءِ ؛ فَھُوَ مَا أُخِذَ مِنْ مَالِ الْکُفَّارِ بِغَیْرِ ایجَافِ خَیْلٍ وَلَا رِکَابٍ ،وَالْاِیجَافُ نَوْعٌ مِنْ التَّحْرِیکِ ‘‘

’’یہ لفظ بن جاتاہے’’الفیئ‘‘۔اگر مطلق طور پر دیکھا جائے تو فقہاء کرام نے اس کے معانی یہ بیان کئے ہیں کہ یہ وہ مال ہے جو کفار سے

حاصل کیا جائے بغیر گھوڑے دوڑائے اور لشکر کشی کئے بغیر‘‘۔

(مجموعة الفتاویٰ ابن تیمیة،ج۲،ص۸۹)

پھر امام ابن ِ تیمیہ ؒتفصیلی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’وأما الفیئ ، فأصلہ ما ذکرہ اللّٰہ تعالی فی سورة الحشر ، التی أنزلھا اللّٰہ فی غزوة بنی النضیر، بعد بدر ،من قولہ تعالی﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَارِکَابٍ.رَبَّنَآ اِنَّکَ رُءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾(الحشر۶۔۱۰)فذکر سبحانہ وتعالی المھاجرین والأنصار،والذین جاءوا من بعدھم علی ما وصف،فدخل فی الصنف الثالث کل من جاء علی ھذا الوجہ الی یوم القیامة ؛ کما دخلوا فی قولہ تعالی﴿وَالَّذِینَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَھَاجَرُوا وَجَاھَدُوا مَعَکُمْ فَأُولَئِکَ مِنْکُمْ﴾(سورة الأنفال: ۷۵)وفی قولہ:﴿وَالَّذِینَ اتَّبَعُوھُمْ بِإِحْسَانٍ﴾(سورة التوبة:۱۰۰)وفی قولہ﴿وَآخَرِینَ مِنْھُمْ لَمَّا یَلْحَقُوا بِھِمْ وَھُوَ الْعَزِیزُ الْحَکِیمُ﴾ (سورةالجمعة:۳)ومعنی قولہ﴿فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَلَا رِکَابٍ﴾(سورةالحشر:۶)أی ما حرکتم ولا سقتم خیلاً ولاً ابلاً ؛ولھذا قال الفقھاء:ان الفیئ ھو ما أخذ من الکفار بغیر قتال ؛ لأن ایجاف الخیل والرکاب ھو معنی القتال،وسمی فیئا ؛ لأن اللّٰہ أفاءہ علی المسلمین،أی ردہ علیھم من الکفار؛ فان الأصل أن اللّٰہ تعالی انما خلق الأموال اعانة علی عبادتہ ؛لأنہ انما خلق الخلق لعبادتہ، فالکافرون بہ أباح أنفسھم التی لم یعبدوہ بھا،وأموالھم التی لم یستعینوا بھا علی عبادتہ ؛ لعبادہ المؤمنین الذین یعبدونہ، وأفاء الیھم ما یستحقونہ ‘‘

’’جہاں تک تعلق ہے مال فئے کا تو اس کا اصل حکم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا سورۃ الحشر میں جو کہ غزوۂ بدر کے بعد بنو نضیر سے لڑائی کے موقع پر نازل ہوئی۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:﴿وَمَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْھُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ ....رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ﴾(الحشر۶تا۱۰)اللہ تعالی نے ان آیتوں میں مہاجرین اور انصار اور اُن لوگوں کا بھی ذکر فرمایا ہے جو بعد میں ان اوصاف سے متصف ہیں ،پس تیسری قسم میں ہر وہ شخص داخل ہے جو ان اوصاف سے متصف ہواور یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بھی ان لوگوں کو شامل کیا:’’اور جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور تم مسلمانوں کے ساتھ ہوکر جہاد بھی کئے تو وہ تم ہی میں داخل ہیں‘‘(سورۃ الأنفال: ۷۵)اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں داخل ہیں:’’اور وہ جنہوں نے ان کے بعد پیروی کی نیکی کے ساتھ‘‘۔(سورۃ التوبۃ:۱۰۰) ’’اور دوسرے وہ لوگ جو ابھی تک اُن میں شامل نہیں ہوئے (مگر آخر کار ان میں آملیں گے)اور اللہ زبردست اور حکمت والا ہے‘‘۔(الجمعۃ:۳)اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے معنی﴿فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَیْہِ مِنْ خَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ﴾کے معنی ہے کہ نہ تو تم نے گھوڑوں اور اونٹوں کو حرکت دی اور نہ ہی جہاد کے لئے انہیں چلایا اور دوڑایا ۔ اسی وجہ سے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ’’مالِ فئے وہ ہے جو کفار سے حاصل کیا جائے بغیر لڑائی کے‘‘یعنی تم نے گھوڑوں اور اونٹوں کو حرکت نہیں دی اور نہ چلایا۔اور اس قسم کے مال کو’’فئے‘‘اس لئے کہاگیا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار سے یہ مال و دولت بلاقتال و جنگ دلوادیا۔اصل بات یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال ودولت اسی لئے دیئے ہیں کہ اس کی عبادت کے لئے معاون و مددگار بنے اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا ہے۔پس کفار اللہ کی عبادت نہیں کرتے ،نہ اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر خرچ کرتے ہیں ،تو یہ مال مسلمانوں کے لئے حلال و جائز کردیئے گئے تاکہ اس مال سے وہ قوت حاصل کریں اور اللہ کی عبادت کریں۔ کیونکہ مسلمان بندے اللہ ہی کی عبادت کرتے ہیں اور اس لئے ’’مال فئے ‘‘ان کو دیا گیا جس کے وہ حقدار اور مستحق تھے۔اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے کسی کے میراث و ترکے پر قبضہ کرلیا گیا ہواور پھر اس کو وہ مال واپس دلوایا جائے‘‘۔

(السیاسة الشرعیة ،ج١،ص٣٧)

یہاں پر امام ابنِ تیمیہ ؒاُس وجہ کی وضاحت کرتے ہیں جو کہ کفار کے مال کوایک مسلمان کے لئے حلال کر تی ہے، اور وہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مال اور جان کو پیدا ہی اپنی عبادت کے لئے کیا ہے چنانچہ جو کفر کرتے ہیں وہ اسے وہاں استعمال نہیں کرتے جہاں اسے استعمال ہونا چاہیے تو وہ اس مال کو رکھنے کا حق کھو بیٹھتے ہیں،اور وہ حق چلاجاتا ہے مسلمان کو اگرچہ وہ اس کا اپنا مال نہ بھی ہو۔

کافر اگر مسلمانوں کی طرف بھٹک کر بھی آجائے تو اس کا حکم:

جہاں تک تعلق ہے ان کفار کے بارے میں جو مسلمانوں کی زمینوں کی طرف رخ کریں امان طلب

کرنے کے لئے، تو محکم رائے یہ ہے کہ ان پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔مگر جب وہ کسی بھی وجہ سے مسلمانو ں کی زمینوں میں داخل ہوجائیں یا اس طرف رخ کریں جبکہ وہ امان کے طلب گا ر نہ ہوں تو ان کا خون اور مال مباح ہے اور اس کو مسلمانوں میں تقسیم کیاجائے گا۔)امام کے ذریعہ یا ازخود)۔ امام ابن قدامہ ؒکا یہ قول پہلے گذر چکا ہے :

’’مَنْ ضَلَّ الطَّرِيقَ مِنْهُمْ ،أَوْ حَمَلَتْهُ الرِّيحُ اَلَيْنَا،فَهُوَ لِمَنْ أَخَذَهُ فِى احْدَى الرِّوَايَتَيْنِ ؛لِأَنَّهُ مَتَاعٌ أَخَذَهُ أَحَدُ الْمُسْلِمِينَ بِغَيْرِ قُوَّةِ مُسْلِمٍ،فَكَانَ لَهُ،كَالْحَطَبِ،وَالرِّوَايَةُ الثَّانِيَة، يَكُونُ فَيْئًا‘‘

’’جوکافر بھی اپناراستہ کھو بیٹھے یا ہوا اسے ہماری طرف لے آئے (کشتیوں کی صورت میں)تو یہ کافر(اوراس کا مال)اُس مسلمان کا ہے جس کے ہاتھ میں وہ آجائے دو روایتوں میں سے ایک کے مطابق،اور دوسری روایت یہ ہے کہ وہ مالِ فے ہے‘‘۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴۔المغنی،ج۲۱،ص ۱۸،رقم:۷۴۹۱)

امام ابن ِ نحاس ؒفرماتے ہیں کہ المغنی کے مصنف امام ابن قدامہ ؒکا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں:

’’وسئل عن قوم يكونون فى حصن أو رباط فيخرج منهم قوم الى قتالهم فيصيبون دواباً أو سلاحاً؟فقال أبوعبد اللّٰہ :يكون بين اهل الرباط،واهل الحصن‘‘

’’اور ان سے پوچھا گیا ان لوگوں(مسلمانوں)کے بارے میں جو قلعے میں ہوں یا رباط میں ہوں اور پھر ان (مسلمانوں)میں سے کچھ لوگ باہر نکل

کر ان (کافروں)سے لڑیں اور ان کے مال مویشی ہتھیاروں کو حاصل کریں تو ابوعبداللہ(امام احمد بن حنبلؒ) کہتے ہیں کہ’’یہ مال اہلِ قلعہ اور اہلِ رباط کے درمیان تقسیم ہوگا‘‘۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴۔المغنی والشرح الکبیر،ج۱۰،ص۵۶۴)

المغنی کے مصنف فرماتے ہیں:

’’وَاِذَا دَخَلَ حَرْبِیٌّ دَارَ الْاِسْلَامِ بِغَیْرِ أَمَانٍ،نَظَرْت؛ فَاِنْ کَانَ مَعَہُ مَتَاعٌ یَبِیعُہُ فِی دَارِ الْاِسْلَامِ،وَقَدْ جَرَتْ الْعَادَۃ بِدُخُولِھِمْ اِلَیْنَا تُجَّارًا بِغَیْرِ أَمَانٍ،لَمْ یُعْرَضْ لَھُمْ.وَقَالَ أَحْمَدُ:اذَا رَکِبَ الْقَوْمُ فِی الْبَحْرِ،فَاسْتَقْبَلَھُمْ فِیہِ تُجَّارٌ مُشْرِکُونَ مِنْ أَرْضِ الْعَدُوّ یُرِیدُونَ بِلَادَ الْاِسْلَامِ،لَمْ یَعْرِضُوا لَھُمْ،وَلَمْ یُقَاتِلُوھُمْ‘‘

’’اگرایک حربی دارالاسلام میں بغیر امان کے داخل ہوجائے تو اس کی جانچ پڑتال کی جائے گی کہ کیا اس کے پاس ہتھیار ہیں جو وہ دارالاسلام میں فروخت کرے اور اگر یہ عام طور پر داخل ہوں بغیر امان کے تاجروں کی حیثیت سے تو ان کا راستہ نہیں روکا جائے گا۔اور احمد بن حنبل ؒکہتے ہیں کہ لوگ اگر سمندر میں نکلیں اور ایک جہاز آجائے جو کہ دشمن کی سرزمین سے تعلق رکھتا ہو اور جس میں مشرکین تاجر ہوں جو مسلمانوں کی سرزمین پر جانے کی غرض سے نکلے ہوں تو ان کا راستہ نہیں روکا جائے گا اور ان سے نہیں لڑا جائیگا‘‘۔

(المغنی،ج۲۱،ص۱۸،رقم:۷۴۹۱)

امام ابنِ نحاس ؒفرماتے ہیں:

''وقد ذکر الرافعی والنووی وغیرهما ان قصد التجارة لایفید الامان، وانہ لو قال:ظننت ان قصد التجارةیفید الامان فلا أثر لظنہ ویغتال''

''مگرامام الرافعیؒاورامام النوویؒاور دیگر کہتے ہیں کہ تجارت کی غرض کو امان نہیں شمار کیا جائے گا، اور اگر وہ کافر کہیں کہ میرا گمان تھا کہ تجارت کی غرض سے آنا امان سمجھاجائے گا، تو اس کہ گمان سے کچھ فرق نہیں پڑتا اور اس کو قتل کردیا جائیگا''۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴۔الروضة،ج۱۰،ص۲۸۰)

پھرامام ابنِ نحاس ؒاپنے بارے میں فرماتے ہیں:

''وقد سألت جماعة من اعیان الشافعیة عن الحربی یخرج من بلادہ قاصداً بلاد المسلمین بتجارة۔ھل یجوز لأحد الرعیة غزوہ قبل دخولہ میناء المسلمین أوبعددخولہ،وقبل أمانہ أم لا؟۔ فاجابوا بانہ یجوز قتالہ قبل دخول میناء المسلمین وبعدہ،واللّٰہ اعلم''

''اور میں نے پوچھا(ایک سوال)شافعیوں کے ایک گروہ سے حربی کے بارے میں جو اپنے ملک سے نکلے اس غرض سے کہ مسلمانوں کے ملکوں میں تجار ت کرے :''کیا یہ جائز ہے کہ ایک گروہ ان سے لڑے مسلمانوں کی بندر گاہ میں داخل ہونے سے پہلے یا داخل ہونے کے بعد ،اور کیا ایسی صورت میں (محض اس کے ارادے سے)اس کی امان کا اعتبار کیا جائے یا نہیں ؟تو انہوں نے جواب دیا :ان پر حملہ کرنا جائز ہے مسلمانوں کے بندر گا ہ میں داخل ہونے سے پہلے اور داخل ہونے کے بعدبھی (واللہ اعلم)''۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۴)

فقہاءکرام وسلف صالحین کے اقوال کا یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ فقہاء نے کفار کے مال اور جان کو(چاہے وہ تاجرہویا کسی بھی اورصورت میں)اس بنیاد پر جائز قرارنہیں دیا کہ انہوں نے اسلام یا مسلمانوں پر جارحیت کی ہوبلکہ صرف اس بنیاد پر کہ ان کو امان کا کوئی عہد نہیں دیا گیا۔

فقہاء کے درمیان اختلاف صرف اس بات پرہے کہ جب کفار دارالاسلام بغیر اجازت داخل ہوں چاہے وہ تجارت کی غرض سے ہویا کوئی اور مجبوری تو ان کفار کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ آیا ان کو امان دی جائے یا ان کو لوٹادیا جائے یا پھراگرکوئی ان کے مال و جان پر کوئی قبضہ کرلے توکوئی بھی حرج نہیں۔جبکہ کفار کے ’’حکم اصلی ‘‘یعنی ان کا مال اور جان ایک مسلمان کے لئے حلال ہے سوائے چند صورتوں کے ،اس میں فقہاء کرام میں کوئی بھی اختلاف نہیں ۔

جیساکہ امام ابنِ نحاس ؒامام مالک ؒکا یہ قول نقل کرتے ہیں:

’’وروی ابن وھب،عن مالک،فی قوم من العدو ونزلوا بساحلنا بغیر اذن فأخذاو،فزعموا انھم تجار لفظھم البحر،ولایعلم صدقھم وقد تکسرت مراکبھم،ومعھم سلاح،أویشکون العطش الشدید،فینزلون للماء بغیر اذن،أن ذلک للامام یری فیھم رایہ،ولا یخمسون،وانماالخمس فیما أوجف علیہ بالخیل والرکاب‘‘۔

’’ابنِ وہاب روایت کرتے ہیں امام مالک سے ایک شخص کے بارے میں جو کہ دشمنوں میں سے ہو اور ہمارے ساحل پر آجائے بغیر اجازت کے پھر وہ پکڑا جائے اور اس کے بعد وہ دعویٰ کریں کہ’’وہ

تو تاجر ہیں اور سمندر میں راستہ بھٹک گئے ہیں‘‘لیکن ان کا سچا ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا اور ان کا جہاز بھی ٹوٹ چکا ہے اوران کے پاس ہتھیار ہیں یا پھر وہ شدید پیاس کی صورت میں پانی کی تلاش میں بغیر اجازت ساحل پر آجائیں تو یہ امام پر منحصر ہے کہ وہ ان کا کیا (فیصلہ) کرتا ہے ۔اور یہ خمس میں تقسیم نہیں ہوگا کیونکہ خمس صرف غنیمت پر ہے جو کہ حاصل کیا جاتا ہے گھوڑوں اور اونٹوں کے ذریعہ لشکر کشی کرتے ہوئے ۔‘‘

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۵)

اس کے بعدامام ابنِ نحاس ؒ امام عبدالسلام المالکی ؒکا یہ قول نقل کرتے ہیں:

’’واذا لم تقم أمارة علی صدقهم ولا علی کذبهم،فالحکم اما الاستراق أو یردون الی مامنهم،ولایجوز القتل علی اشهر القولین،والقول الاخر :یجوز عملاً بمقتضی الأصل وبانتفاء المانع‘‘

’’اور اگر ان کے سچے یا جھوٹے ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو پھر یا تو ان کا حکم غلامی کا ہے یا پھر یہ کہ ان کو امن کی جگہ پر پہنچادیا جائے اور دونوں آرا میں سے راجح قول یہ ہے کہ ان کا قتل جائز نہیں ہے جبکہ دوسری رائے یہ ہے کہ اصل قاعدہ (حکمِ اصلی)کی بنیاد پر اور ان کو تحفظ فراہم کرنے والی کسی بھی وجہ(استثناء)کی عدم موجودگی کی وجہ سے ان کا قتل جائز ہے‘‘۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۵۵)

امام ابن تیمیہ ؒفرماتے ہیں :

’’اکثر فقہاء کے نزدیک قرآن وسنت کے مطابق ان میں سے یعنی کفار میں سے کوئی شخص لڑتے ہوئے یا بغیر لڑے قید کرلیا جائے مثال کے طور پر اگر اس کا جہاز اسے ہماری طرف لے آئے یا وہ راستے بھٹک جائے یا وہ دھوکے سے قید کیا جائے تو امام اس کے ساتھ وہ کرتا ہے جو زیادہ فائدہ مند ہو اس کو قتل کرنے سے لے کر غلام بنانے ،احسان کرنے ،فدیہ لینے یا قیدی کے بدل کے طور ‘‘۔

(مجموع الفتاویٰ،۲۸/۳۵۵)

سیرت نبوی ﷺ سے مثالیں:

((عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ رَجُلٌ مِنْ بَنِی سُلَیْمٍ بِنَفَرٍ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللَّہِ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَہُوَ یَسُوقُ غَنَمًا لَہُ فَسَلَّمَ عَلَیْہِمْ فَقَالُوا مَا سَلَّمَ عَلَیْنَا اِلَّا لِیَتَعَوَّذَ مِنَّا فَعَمَدُوا اِلَیْہِ فَقَتَلُوہُ وَأَتَوْا بِغَنَمِہِ النَّبِیَّ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ الْآیَۃُ یَا أَیُّہَا الَّذِینَ آمَنُوا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِی سَبِیلِ اللَّہِ فَتَبَیَّنُوا))

’’حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بنو سلیم کا ایک آدمی اپنی بکریوں کو ہانکتے ہوئے چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پاس سے گذرا، اس نے انہیں سلام کیا، وہ کہنے لگے کہ اس نے ہمیں سلام اس لئے کیا ہے تاکہ اپنی جان بچالے(حالانکہ یہ کافر ہے)، یہ کہہ کر وہ اس کی طرف بڑھے اور اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوگئے، اس پر یہ آیت نازل

ہوئی کہ’’اے ایمان والو!جب تم اللہ کے راستے میں نکلو تو خوب چھان بین کرلو‘‘۔

(مسند احمد،ج۶،ص۴۵۱،رقم الحدیث:۱۹۱۹)

بنو سلیم سے تعلق رکھنے والے اس شخص کے واقعہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ صحابہ کرام کی جانب سے اس کو قتل کرنے اور اس کا مال ومتاع لوٹنے پر جو نکیر آئی وہ اس کے ایمان کے اظہار کی وجہ سے ہے ورنہ اگر کافر کی جان و مال کی کوئی حرمت ہوتی تو صحابہ کرام اس کے یوں قتل کو جائز نہ سمجھتے اور نہ ہی اس کے مال و متاع کوحلال سمجھتے ۔

اس کی دلیل امام محمد ابن الحسن ؒاشجع سے آئے ہوئے شخص کے متعلق اس فتوی سے بھی ہوتی ہے :

’’أن رجلاً من أشجع جاء الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فشکا الیہ الحاجة فقال: اصبر،ثم ذهب فأصاب من العدو غنیمة،وأتی بها النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فطیبها لہ، فأنزل اللّٰہ تعالی﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا○وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ﴾(الطلاق:۲،۳)فهذا أصل علمائنا فیما یصیبہ الواحد والمثنی من دار الحرب،اذا دخلوا علی وجہ التلصص، بغیر اذن الامام‘‘

’’ایک آدمی اشجع سے آپ ﷺ کے پاس آیا ان سے ایک معاملہ کی شکایت کی ،آپ ﷺ نے فرمایا کہ ’’صبر کرو‘‘وہ پھر(کافر)دشمنوں سے غنیمت حاصل کرکے آپ ﷺ کے پاس(لوٹ)آیا تاکہ آپ ﷺ اس کے لئے یہ جائز(حلال)کریں تواللہ نے یہ آیت نازل کی: ﴿وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا○وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ﴾(الطلاق:۲،۳)’’اور جوکوئی اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اللہ اس کے لئے راستہ بنادیتا ہے اور اس کو وہاں سے رزق ملتا ہے جہاں سے اس

کا گمان بھی نہیں ہوتا‘‘یہ (واقعہ) بنیادی (دلیل ہے)ہمارے علماء کے نزدیک ان لوگوں کے بارے میں جو امام کی اجازت کے بغیر دارالحرب میں ہوں چوری کی نیت سے ‘‘

(شرح کتاب السیر الکبیر،ج۱،ص۳۹۶)

شیخ یوسف العیریؒ شہیدؒ فرما تے ہیں:

’’واذا لم یکن الکافر معاهداً ولا ذمیاً فان الأصل فیہ أنہ حربی حلال الدم والمال والعرض‘‘

’’اور جب کافر نہ تو حلیف ہواور نہ ذمی تو بلاشبہ اس کی اصل یہی ہے کہ وہ ایسا حربی یعنی جنگجو ہوتا ہے کہ جس کا خون ، مال اور عزت حلال ہوتا ہے‘‘

(حقیقة الحرب الصلیبیة الجدیدة)

امام انور العولقیؒاپنے فتوے میں فرماتے ہیں:

’’ہماری اسلامی شریعت کے مطابق کفارکے ہاتھو ں میں جو املاک ہیں وہ ان کے کفر کی وجہ سے ان کی جائز ملکیت تصور نہیں ہوتیں اور جب کبھی اسلام اگر انہیں ملکیت کا حق دیتا ہے تو وہ ایسا (ان کفار کے بارے میں)بنیادی اصول (کہ ان کا مال وجان حلال ہے)سے استثنائی صورت میں کرتا ہے،جیسے اہل الذمہ کے معاملے میں جب وہ جزیہ اداکریں یہی وجہ ہے کہ ہمارے علماء کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے مال کو ’’فے‘‘کا نام دیا ہے جس کے معنی ’’واپس لوٹانے ‘‘کے ہیں ،پس وہ کہتے ہیں کہ کفار کی املاک جو کہ (اصلاً)ان کی جائز ملکیت نہیں

ہیں ،مومنوں کی طرف واپس لوٹ آئی ہیں جو ان املاک کے ’’جائز‘‘مالک ہیں‘‘۔

(امام انور العولقی شہیدرحمہ اللہ کے مشہور فتوے ’’دار الحرب میں کفار کو ان کے اموال سے محروم کئے جانے کا حکم‘‘ سے اقتباس)

کفار کے ملکوں کی حیثیت:

شریعت میں بلاشبہ پوری دنیا کے ملک مسلمانوں کے لیے یاتو دارالحرب کا درجہ رکھتے ہیں یا پھر بامعاہدہ(حلیف)ہونے کا۔ لٰذا تمام کافر ملک تو اصل میں جنگجوملک(دارالحرب)ہیں اسی لیے ان کے خلاف ہر طرح کی لڑائی لڑنا جائز ہے ۔ جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے۔ سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگجو ملکوں کے قافلوں کو روکتے جیساکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے قافلوں کو روکا اور کافر ملکوں کی عوام کو ضرورت پڑنے پر ضمانت کے طور پر (گروی)رکھ لیتے۔ جیساکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کی طرف سے اپنے صحابہ کو قیدی بنائے جانے پر اس کے حلیف قبیلہ بنوعقیل کے ایک آدمی کو قیدی بنالیا تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنگجو ملکوں کے اُن بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کے قتل کا فتوی دیتے تھے کہ جن کا(دشمن میں سے)پہچانا جانا ممکن نہ ہوتا اور جنگجوؤں تک انہیں قتل کیے بغیر پہنچنا ناممکن ہوتا۔ جیساکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف میں بھی ایسا کیا اور اس شہر پرمنجنیق کے ذریعے پتھروں کی بارش کی۔ لہٰذا جنگجو ملکوں کو نقصان پہنچانے سے منع کرنے والی شرعی حدود کا وجود نہیں ،ماسوائے اس کے کہ اگر عورتیں، بچے، اور بوڑھے واضح طورپر پہچانے

جاتے اور وہ جنگ وحملے میں دشمن کے مدد گار بھی نہ ہو تو اس صورت میں انہیں نشانہ نہیں بنایا جائے گا۔

لہذا کفارکے ملکوں کو دوحصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک قسم حربی(جنگجو)ہے۔ اور اصل ان کی یہی ہے۔ جبکہ دوسری قسم معاہد(حلیف)کی ہے۔ بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مشرکوں کی تقسیم کا ذکر آیا ہے۔ انہوں نے فرمایا:

((کان المشرکون علی منزلتین من النبی ﷺ والمؤمنین،مشرکی أهل حرب یقاتلهم ویقاتلونه ومشرکی أهل عهد لا یقاتلهم ولا یقاتلونه))

’’مشرکوں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنوں کے ہاں دودرجے تھے ۔جنگجو مشرک جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑتے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے ۔ اور حلیف مشرک جن سے نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم لڑتے اور نہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑتے‘‘۔

شیخ یوسف العیری شہید کہتے ہیں:

’’والدول لا تکون ذمیة بل تکون أما حربیة أو معاهدة ، والذمة هی فی حق الأفراد فی دار الاسلام ‘‘۔

’’جبکہ ملک تو ذمّی نہیں ہوتے بلکہ یاتو جنگجو ہوتے ہیں یاپھر معاہدہ کرنے والے(حلیف)جبکہ دارالاسلام میں ذمّی صرف افراد کا حق ہوتا ہے‘‘

(حقیقة الحرب الصلیبیة الجدیدة)

امام انور العولقیؒ فرماتے ہیں:

''کوئی بھی قوم جو مسلمانوں سے جنگ میں (براہ راست)داخل ہوتی ہے یا مسلم اراضی میں حملہ کرنے میں شمولیت اختیار کرتی ہے وہ فی الحقیقت ''دار الحرب ''بن جاتی ہے''۔

(امام انور العولقی شہیدرحمہ اللہ کے مشہور فتوے ''دار الحرب میں کفار کو ان کے اموال سے محروم کئے جانے کا حکم''سے اقتباس)

کفار کے بچوں ،عورتوں ،بوڑھوں کا حکم:

شریعت نے''غیر حربی ''ہونے کے لئے جو استثنائی صورتیں بیان کی ہیں ان میں(معاہد،مستامن یاذمی ہونے کے علاوہ)بنیادی طور پر کسی کا بچہ یا عورت ہونا، انتہائی بوڑھا ،یا مزدورہوناوغیرہ ثابت ہوجائے۔ اس حوالے سے چنداحادیث درج ذیل ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمررضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

((عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ وُجِدَتْ امْرَأَةٌ مَقْتُولَةً فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَهَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ))

'' رسول اللہ ﷺکے ایک غزوے کے دوران ایک عورت مقتول پائی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کردیا''۔

(صحیح البخاری،ج۱۰،ص۲۰۸،رقم الحدیث:۲۷۹۲)

اور مسلم کی ایک حدیث جو بُریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ:

((اغْزُوا بِاسْمِ اللَّهِ فِی سَبِیلِ اللَّهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ اغْزُوا وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَمْثُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيدًا))

’’اللہ کی راہ میں اللہ کے نام کے ساتھ حملہ کرو، ان لوگوں سے لڑو کہ جو اللہ کا انکار کرتے ہیں حملہ کرو اور غلو نہ کرو، اور نہ غداری کرو، اور نہ مثلہ کرو اور نہ بچے کو قتل کرو‘‘۔

(صحیح مسلم،ج۹،ص۱۵۰،رقم الحدیث:۲۱)

رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا کہ:

((عَنْ جَدِّہِ رَبَاحِ بْنِ رَبِيعٍ قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ فَرَأَى النَّاسَ مُجْتَمِعِينَ عَلَى شَيْءٍ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ انْظُرْ عَلَامَ اجْتَمَعَ هَؤُلَاءِ فَجَاءَ فَقَالَ عَلَى امْرَأَةٍ قَتِيلٍ فَقَالَ مَا كَانَتْ هَذِهِ لِتُقَاتِلَ قَالَ وَعَلَى الْمُقَدِّمَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ قُلْ لِخَالِدٍ لَا يَقْتُلَنَّ امْرَأَةً وَلَا عَسِيفًا))

’’ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ لوگ کسی کے گرد جمع ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا: ذرا دیکھو کہ یہ لوگ کس چیز کے گرد اکٹھے ہوئے ہیں؟ تو وہ شخص واپس آیا اور اُس نے بتایا کہ ایک مقتول عورت کے گرد۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہ:یہ تو لڑ نہیں سکتی

تھے صحابی نے کہا کہ مقدمہ(سب سے اگلے دستے)پرخالد بن الولید تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا:’’خالد سے کہو کہ وہ کسی عورت اور مزدور کو ہرگز قتل نہ کرے‘‘۔

(سنن ابی داود،ج۷،ص۲۷۴،رقم الحدیث:۲۲۹۵)

امام النووی ؒ نے فرمایا:

’’أَجْمَعَ الْعُلَمَاء عَلَى الْعَمَل بِهَذَا الْحَدِيث،وَتَحْرِيم قَتْل النِّسَاء وَالصِّبْيَان اِذَا لَمْ يُقَاتِلُوا ،فَاِنْ قَاتَلُوا قَالَ جَمَاهِير الْعُلَمَاء:يُقْتَلُونَ‘‘

’’علماء کا اس حدیث پر عمل کرنے اور ایسی عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت پر اجماع ہے کہ جو لڑتے نہیں لیکن اگر وہ لڑیں تو جمہورعلماء کا کہنا ہے کہ انہیں قتل کیا جائے گا‘‘

(شرح النووی علی مسلم،ج۶،ص۱۸۸،رقم :۳۲۸۰)

اور آپ مزید فرماتے ہیں:

’’وكذلک كل من لم يكن من أهل القتال لا يحل قتله الا اذا قاتل حقيقة أو معنى بالرأی والطاعة والتحريض وأشباه ذلک‘‘

’’اور اسی طرح جو بھی لڑائی کے اہل نہ ہو اسے قتل کرنا حلال نہیں ماسوائے اس کے کہ وہ حقیقت میں لڑے یا لڑائی میں دشمن کورائے دے یا اس کی اطاعت کرے یا لڑائی پرابھارے اور اسی سے ملتے جلتے کام کرے‘‘۔

امام ابن حجر نے فرمایا کہ اس (سابق حدیث)کا مفہوم یہ ہے کہ:

’’فَاِنَّ مَفْهُومہ أَنَّهَا لَوْ قَاتَلَتْ لَقُتِلَتْ ‘‘

’’ اگر کوئی عورت لڑے تو اسے قتل کیا جائے‘‘۔

(فتح الباری،ج۹،ص۲۲۴،رقم۲۷۹۰)

یہ اور اسی طرح کی دوسری دلیلیں ہیں جوکہ عورتوں ، بچوں، حددرجہ بوڑھوں اور مزدور کو قتل کرنے سے مستثنیٰ قراردیتیں ہیں خواہ وہ جنگجو قوم سے ہی تعلق رکھتے ہوںمگر اس شرط کہ ساتھ کہ وہ لڑائی کے دوران پہنچانے جائیں اور لڑائی پر دشمن کی نہ تو فعل اور نہ قول سے کوئی مدد کرتے ہوں ،تویوںہی اُن کا قصداً قتل کرنا حرام ہوجاتا ہے۔ سوائے چند ایک صورتوں میں جیسے کہ دشمن کو معاملہ بالمثل(دشمن کو بدلہ کی سزا)دینے کی خاطر، جیسا آگے اس کا ذکر آئے گا۔

استثنائات

وہ حالات جن میں کفار کے بچوں ،عورتوں ،بوڑھوں کو مارنا بھی جائز ہوجاتاہے

اب ہم ان مخصوص حالتوں کا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں جن میں کفار کی عورتوں، بچوں ، بوڑھوں اور ان جیسے دوسرے لڑائی کے نااہل لوگوں کا قتل کرنا جائز ہوتا ہے۔ خواہ قصداً یا بغیرارادۃ کے۔ کیونکہ احادیث میں ان ذکرکردہ کفار کے ان معصوم لوگوں کی عصمت مطلق(عام)نہیں۔بلکہ کچھ ایسی مخصوص حالتیں بھی ہیں کہ جن ان کا قتل جائز ہوجاتاہے ۔

چنانچہ درج ذیل حالات میں سے کسی بھی ایک حالت کے متعلق یہ ثابت ہوجائے کہ اس حالت میں بے قصور افراد کا قتل جائز ہوجاتا ہے اور ان تمام حالات کا بیک وقت پایا جانا ضروری نہیں ہے بلکہ ان میں سے کسی بھی ایک حالت میں ایسا کرنا جائز ہوجاتا ہے۔ یہ حالات مندرجہ ذیل ہیں:

پہلی صورت

کافر وں کے ساتھ گڈمڈ ہوجانا

پہلی صورت یہ ہے کہ کفار کے بوڑھوں، عورتوں اور بچوں جیسے معصوم لوگوں کادوسرے کافروں کے ساتھ بغیر قصد کے قتل کرنا اس شرط کے ساتھ جائزہے کہ وہ ان جنگجوؤں کے ساتھ اور قلعوں میں نشانہ بنیں کہ جن کے سبب انہیں پہچانا نہ جاسکے تو اس صورت میں

انہیں قتل کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو صحیحین میں الصعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

((قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ الذَّرَارِیِّ مِنْ الْمُشْرِکِینَ یُبَیَّتُونَ فَیُصِیبُونَ مِنْ نِسَائِہِمْ وَذَرَارِیِّہِمْ فَقَالَ ھُمْ مِنْھُمْ))۔

’’انہوں نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کی اولادوں کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جب رات کے وقت اُن(مشرکوں)پر حملہ کرتے ہیں تو ان کی عورتیں اور بچے بھی نشانہ بن جاتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((ھُمْ مِنْھُمْ))’’وہ انہی میں سے ہیں‘‘۔

(صحیح مسلم،ج۹،ص۱۷۷رقم الحدیث:۳۲۸۱)

یہ حدیث کفار کی عورتوں، بچوں کو ان کے باپوں کے ساتھ اُس صورت میں قتل کرنے کے جوازکی دلیل ہے کہ جب وہ پہچانے نہ جائیں۔ مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ:

((ھُمْ مِنْ آبَائِہِمْ))۔

’’وہ اپنے باپوں میں سے ہیں‘‘۔

(صحیح مسلم،ج۹،ص۱۹۷رقم الحدیث:۳۲۸۳)

حضرت عبدا للہ بن عمرو ؓسے روایت ہے :

((إِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَغَارَ عَلَی بَنِی الْمُصْطَلِقِ وَھُمْ غَارُّونَ وَأَنْعَامُھُمْ تُسْقَی عَلَی الْمَاءِ فَقَتَلَ مُقَاتِلَتَھُمْ وَسَبَی ذَرَارِیَّھُمْ))

’’نبی کریم ﷺنے بنی مصطلق پر چھاپہ مار اجبکہ وہ غفلت کے عالم میں تھے اور ان کے جانوروں کو پانی پلایا جارہا تھا۔ ان میں سے جو لوگ لڑنے والے تھے ان کو تو آپ ﷺنے قتل کردیا اور عورتوں اور بچوں کو قید کرلیا‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۸،ص۴۷۲،رقم الحدیث:۲۳۵۵)

((أمر علینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ،أبا بکر فغزونا ناسا من المشرکین، فبیتناهم،وقتلناهم،وکان شعارنا أمت،أمت،قال سلمة:فقتلت بیدی تلک اللیلة ، سبعة أهل أبیات))

’’رسول اللہ ﷺنے حضرت ابوبکر ؓکو ہمارے لشکر کا امیر بنادیا،پس ہم نے مشرکین سے جنگ کی ،ان پر شب خون مارا اور ان کو قتل کیا ،اس رات ہمارا خفیہ اشارہ ’’اَمِتْ اَمِت‘‘تھا۔حضرت سلمہؓفرماتے ہیں کہ اس رات میں اپنے ہاتھ سے سات گھروں کے مشرکوں کو قتل کیا‘‘۔

(صحیح ابن حبان،ج۲۰،ص۹،رقم الحدیث:۴۸۳۳)

یہ حدیث کم وبیش الفاظ کے ساتھ سنن ابی داود،مسند احمد موجود ہے اور امام حاکم اس کو مسلم کی شرائط پر صحیح قرار دیاہے ۔

جمہور(علماء)کی رائے ہے کہ کفار کی عورتوں اور ان کی اولادوں کو قصداً قتل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن اگر ان کے باپوں کے قتل تک انہیں (بچوں، عورتوں)کو بغیر پہنچانے کے نشانہ بنایاجائے تو پھر یہ (ان عورتوں بچوں کا قتل)جائز ہے۔

امام ابن حجر ؒ صعب بن جثامہ ؓ والی حدیث کے ضمن میں فرمایا:

’’قَوْلہ:(عَنْ أَهْل الدَّار)أَیْ الْمَنْزِل،هَكَذَا فِی الْبُخَارِیّ وَغَيْرہ وَوَقَعَ فِی بَعْض النُّسَخ مِنْ مُسْلِم ’’سُئِلَ عَنْ الذَّرَارِیّ‘‘قَالَ عِيَاض:الْأَوَّل هُوَ الصَّوَاب،وَوَجَّہ النَّوَوِیّ الثَّانِی وَهُوَ وَاضِح.قَوْلہ:(هُمْ مِنْهُمْ)أَیْ فِی الْحُكْم تِلْكَ الْحَالَة،وَلَيْسَ الْمُرَاد ابَاحَة قَتْلهمْ بِطَرِيق الْقَصْد اِلَيهِمْ ، بَلْ الْمُرَاد اذَا لَمْ يُمْكِن الْوُصُول الَى الْآبَاء الَّا بِوَطْئ ِ الذُّرِّيَّة فَاِذَا أُصِيبُوا لِاخْتِلَاطِهِمْ بِهِمْ جَازَ قَتْلهمْ ۔‘‘

’’آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ اہل دار سے مراد گھروالے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ وہ انہی میں سے ہیں یعنی اس حالت میں(شرعی)حکم میں اور اس سے قصداً(ارادے کے ساتھ)انہیں قتل کی اباحت مراد نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر بڑوں تک بچوں کو روندے بغیر پہنچنا ممکن نہ ہو اور وہ (بچے)اُن(بڑوں)کے ساتھ اختلاط کی وجہ سے نشانہ بن جائیں تو اس صورت میں اُن کا قتل جائز ہے۔‘‘

(فتح الباری لابن حجر،ج۹،ص۲۲۴،رقم :۲۷۹۰)

امام مسلم صحیح مسلم میں باقاعدہ یہ باب باندھتے ہیں’’بَاب جَوَازِ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ فِی الْبَيَاتِ مِنْ غَيْرِ تَعَمُّدٍ‘‘’’رات میں غیر ارادی طور پر عورتوں اور بچوں کے قتل کا جواز‘‘اورامام النووی ؒ، صحیح مسلم کی اپنی شرح میں اس باب کے تحت آنے والی احادیث پر فرماتے ہیں :

((سُئِلَ عَنْ حُكْم صِبْيَان الْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ يَبِيتُونَ فَيُصَاب مِنْ نِسَائِهِمْ وَصِبْيَانهمْ بِالْقَتْلِ ، فَقَالَ :هُمْ

مِنْ آبَـائِہِمْ أَیْ لَا بَـأْسٍ بِـذَلِکَ ؛ لِأَنَّ أَحْکَـام آبَـائِہِمْ جَارِیَـــة عَلَیْہِمْ فِی الْمِـــیرَاث وَفِی النِّکَـــاح وَفِی الْقِصَاص وَالدِّیَات وَغَیْر ذَلِکَ،وَالْمُرَاد اِذَا لَمْ یَتَعَمَّدُوا مِنْ غَیْر ضَـرُورَة .وَأَمَّا الْحَـدِیث السَّـابِق فِی النَّہْی عَنْ قَتْل النِّسَاء وَالصِّبْیَان،فَالْمُرَاد بِہِ اِذَا تَمَیَّزُوا،وَھَذَا الْحَدِیث الَّذِی ذَکَرْنَاہُ مِنْ جَوَاز بَیَاتھمْ وَقَتْل النِّسَـاء وَالصِّـبْیَان فِی الْبَیَـات ،ھُـوَ مَـذْھَبنَا وَمَـذْھَب مَالِـک وَأَبِی حَنِیفَـــــــــــة وَالْجُمْھُـــــــــــور.وَمَعْنَی ’’الْبَیَات‘‘،’’وَیَبِیتُون‘‘أَنْ یُغَار عَلَیْہِمْ بِاللَّیْـلِ بِحَیْثُ لَا یُعْـرَف الرَّجُـل مِنْ الْمَـرْأة وَالصَّـبِیّ ......وَفِی ھَـذَا الْحَدِیث:دَلِیل لِجَوَازِ الْبَیَات،وَجَوَاز الْاِغَـارَة عَلَی مَنْ بَلَغَتْہُمْ الـــدَّعْوَة مِنْ غَیْـــر اِعْلَامھمْ بِـــذَلِکَ .وَفِیہِ :أَنَّ أَوْلَاد الْکُفَّار حُکْمھمْ فِی الـــدُّنْیَا حُکْم آبَـــائِہِمْ ،وَأَمَّا فِی الْآخِـــرَة فَفِیھمْ اِذَا مَـــاتُوا قَبْـــل الْبُلُـــوغ ثَلَاثَـــة مَـــــذَاھِب:الصَّـــــحِیح:أَنَّہُمْ فِی الْجَنَّة .وَالثَّانِی :فِی النَّار .وَالثَّالِث :لَا یُجْـــزَم فِیھمْ بِشَـــیْئٍ .وَاَللّٰہ أَعْلَم ۔‘‘

’’اور اسکا مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہﷺسے مشرکین کی عورتوںاور بچوں پرحملے سے متعلق پوچھاگیا،اور اسکے نتیجے میں عورتیں اور بچے مارے جائیں تو آپﷺ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا:

((ھُمْ مِنْ آبَائِھِمْ))’’یہ اپنے باپوں میں سے ہیں‘‘۔ دوسرے الفاظوں میں اس میں کوئی مضائقہ نہیںہے اس لئے کہ ان پر ویسا ہی حکم لگے گا جو انکے باپوں کا ہے،وصیت میں،شادی بیاہ میں،قصاص و دیت میں اور ان جیسے دوسرے معاملات میں۔اور اس سے مراد یہ بھی ہے کہ یہ(قتل)قصداً نہ ہو اور ضرورت کے علاوہ قتل نہیں کیا جائیگا جیساکہ پچھلی احادیث میں ذکر کیاگیا ہے عورتوں اور بچوں کے قتل کی ممانعت کے حوالے سے، تو اس سے مراد یہ ہے کہ

اگر(عورتوں اور بچوں کے درمیان)تفریق ممکن ہو۔اور(صعب والی)حدیث جو ہم نے ابھی ذکر کی رات کو عورتوں اور بچوں کے قتل کی اجازت سے متعلق، یہی ہماری علمی رائے ہے اور یہی مذہب اما م مالک رحمہ اللہ،امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور دیگرجمہور علماء کا ہے۔اور رات کے چھاپوں کا مطلب جب ان کے خلاف رات کو حملہ کیا جائے جبکہ ایک آدمی کو عورتوں اور بچوں سے ممتاز نہ کیا جاسکے ،اوریہاں اس حدیث میں رات کے حملو ں کا بھی ثبوت ملتا ہے،اوراس میں اس بات کی بھی اجازت ملتی ہے کہ ان لوگوں پرغفلت میں بھی حملہ کرنے کیا جاسکتاہے جن تک دعوت پہنچ چکی ہو ،اور اس (حدیث)سے یہ بھی پتا چلتاہے کہ مشرکین کے بچوں کا حکم اس دنیا میں وہی ہے جو ان کے باپوں پر حکم ہے اور جہاں تک ان کا آخرت میں معاملہ ہے اگروہ بلوغت سے پہلے مرجائیں تو اس پر علماء کی تین آرا ہیں:(پہلی)صحیح رائے یہ ہے کہ وہ جنت میں ہوں گے،دوسری رائے یہ ہے کہ وہ جہنم میں ہوں گے،اور تیسری رائے یہ ہے کہ ان کے بارے میں کوئی بات طے شدہ نہیں ہے۔واللہ اعلم‘‘۔

(شرح النووی علی مسلم،ج۶،ص۱۸۹،رقم :۳۲۸۱)

یہاں ایک نکتہ بہت قابل غورہے کہ امام نووی ؒکہہ رہے ہیں کہ ’’کفار کے بچوں کا آخر ت کے حکم پر اختلاف ہے ‘‘مگر اس دنیا میں انہوں نے کسی اختلاف کا ذکر ہی نہیں کیا یعنی دنیا میں کفار کے بچو ں کا وہی حکم ہے جو ان کے باپوں کا حکم ہے۔امام شافعی ؒفرماتے ہیں:

’’قال الشافعی وحدیث الصعب بن جثامة فی عمرة النبی فان کان فی عمرتہ الاولی فقد قیل أمر بن أبی الحقیق قبلها وقیل فی سنتها وان کان فی عمرتہ الآخرة فهو بعد أمر بن أبی الحقیق غیر شک (واللہ اعلم)صلی اللہ علیہ وسلم ولم نعلمہ صلی اللہ علیہ رخص فی قتل النساء والولدان ثم نهی عنہ ومعنی نهیہ عندنا واللہ أعلم عن قتل النساء والولدان أن یقصد قصدهم بقتل وهم یعرفون متمیزین ممن أمر بقتلہ منهم ومعنی قولہ هم منهم انهم یجمعون خصلتین أن لیس لهم حکم الایمان الذی یمنع بہ الدم ولا حکم دار الایمان الذی یمنع بہ الاغارة علی الداروغذا أباح رسول اللہ البیات والاغارة علی الدار فاغار علی بنی المصطلق غارین فالعلم یحیط ان البیات والاغارة اذا حل باحلال رسول اللہ لم یمتنع أحد بیت أو أغار من أن یصیب النساء والولدان فیسقط المأثم فیهم والکفارة والعقل والقود عن من أصابهم اذ أبیح لہ أن یبیت ویغیر ولیست لهم حرمة الاسلام ولا یکون لہ قتلهم عامدا لهم متمیزین عارفا بهم فانما نهی عن قتل الولدان لانهم لم یبلغوا کفرا فیعلموا بہ وعن قتل النساء لانہ لا معنی فیهن لقتال وأنهن والولدان یتخولون فیکونون قوة لاهل دین اللہ‘‘

’’اور ہم یہ نہیں سمجھتے کہ آپ ﷺ نے رخصت دی ہو عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ،اور پھر بعد میں اس سے منع کردیا ہو۔ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت سے مراد ،ہمارے مطابق (واللہ اعلم)یہ ہے کہ قصداً اُن کونہ مارا جائے جبکہ وہ پہچانے جاسکتے ہوں تو اور ا ن میں تفریق کی جاسکتی ہو ان لوگوں میں سے جن کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے.........اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہ کہنا ہے کہ (هم منهم)’’یہ

انہی میں سے ہیں‘‘کا مطلب یہ ہے کہ ان میں دو خصوصیا ت ہیں،ایک یہ کہ ان پر ’’ایمان ‘‘ کا حکم نہیں ہے (یعنی مسلمان نہیں ہیں)جس سے ان کا خون حرام ہوجائے،اور نہ ہی ان پر دارالاسلام میں رہنے کا حکم لگتا ہے جس سے ان کے گھروں پر حملے کرنے کی ممانعت ہواور اسی وجہ سے اللہ کے رسول ﷺ نے رات کے حملو ں کی اجازت دی اور ان کے گھروں پر حملے کی جب انہوں نے حملے کیا بنی مصطلق پر اس وقت جب وہ غافل تھے.اور یہ بات طے شدہ ہے کہ رات کے حملے اور چھاپوںکی اجازت جو اللہ کے رسول ﷺ کی اجازت سے تھی اس میں یہ ممکن نہ تھا کہ کوئی رات کو حملے کرے اور چھاپے مارے بغیر عورتوں اور بچوں کو قتل کئے بغیر.........تو جو گناہ ،کفارہ اور دیت اور قصاص ان پر لاگو نہیں ہوتا ان کے حوالے سے جن پر حملے کیا گیا ہے۔ اگر رات کے حملے اور چھاپوں کی اجازت ہو اور ان کو اسلام کی حرمت (امان)حاصل نہیں ہے،اورایسانہیں ہوتا کہ ان کو قصداً مارا جائے جب ان کو پہچانا جاسکتا ہو یا ان کی تفریق کی جاسکتی ہواور رہا بچوں کے قتل کرنے کا ممانعت کا معاملہ تو وہ ممانعت اس لئے ہے کہ وہ ابھی کفر پر بالغ نہیں ہوئے ہیں اور اس پر عمل نہیں کیا جس وجہ سے ان کو قتل کیا جاسکے ،اور اسی طرح عورتوں کا معاملہ ہے کیونکہ ان میں جنگ کی طاقت نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ وہ (عورتیں)اور بچے غنیمت ہیں اور جو کہ ایک اضافی قوت ہوسکتی ہے اللہ بزرگ وبرتر کے دین کے ماننے والوں کے لئے ہے۔‘‘

(الرسالۃ:۲۹۹)

امام ابن الاثیر ؒکہتے ہیں کہ:

’’یبیتون:التبییت طُروق العدو لیلاً،علی غفلة للغارة والنھب،وقولہ ((ھم منھم))أی حکمھم وحکم أھلھم سواء،وکذلک قولہ فی روایة ((ھم من آبائھم))۔‘‘

’’’’یبیتون‘‘ کا مطلب ہے کہ دشمن کے پاس رات کو اور ان کی غفلت کے وقت ان پر حملہ کرنااور غنیمت لوٹنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ’’وہ انہی میں سے ہیں‘‘ یعنی اُن (بچوں،عورتوں)کا شرعی حکم اور اُن کے گھروالوں کا (شرعی)حکم ایک ہے۔اسی طرح کا مفہوم ایک روایت میں ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے ’’وہ تو اپنے باپوں میں سے ہیں‘‘۔

(جامع الاصول۲/ ۷۳۳)

علامہ ابن قدامہؒ نے میں فرمایا کہ:

’’ویجوز قتل النساء والصبیان فی البیات(الھجوم لیلا)وفی المطمورة اذا لم یتعمد قتلھم منفردین،ویجوز قتل بہائمھم لیتوصل بہ الی قتلھم وھزیمتھم ،ولیس فی ھذا خلاف‘‘

’’عورتوں او ربچوں کا رات کے حملہ میں اور انکی رہائش گاہ میں اس صورت میں قتل کرنا جائز ہے کہ جب اکیلے انہیں قتل کرنا مقصود نہ ہو۔ اور اُن (کفار)کے قتل اور اُن کی شکست کیلئے اُن کے جانوروں کو قتل کرنا جائز ہے۔اور اس میں کوئی اختلاف نہیں‘‘۔

(المغنی والشرح۱۰/۱۵۳)

المغنی ہی میں انہوں نے فرمایا کہ:

’’فَصْــــلٌ:وَيَجُــــوزُ تَبْيِيتُ الْكُفَّارِ،وَهُــــوَ كَبْسُــــهُمْ لَيْلًا ،وَقَتْلُهُمْ وَهُمْ غَــــارُّونَ.قَــالَ أَحْمَــدُ:لَا بَــأْسَ بِالْبَيَاتِ،وَهَلْ غَزْوُ الرُّومِ إلَّا الْبَيَاتُ،قَالَ:وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا كَرِهَ بَيَاتَ الْعَدُوِّ ،وَقَرَأَ عَلَيْهِ:سُفْيَانُ،عَنْ الزُّهْرِيِّ ،عَنْ عَبْدِ اللَّهِ ،عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ،عَنْ الصَّعْبِ بْنِ جَثَّامَةَ.قَالَ:سَمِعْت رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُسْأَلُ عَنْ الدِّيَارِ مِنْ الْمُشْرِكِينَ،نُبَيِّتُهُمْ فَنُصِيبُ مِنْ نِسَائِهِمْ وَذَرَارِيِّهِمْ؟فَقَالَ:((هُمْ مِنْهُمْ)) .فَقَالَ:إسْنَادٌ جَيِّدٌ.فَإِنْ قِيلَ : فَقَدْ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالذُّرِّيَّةِ.قُلْنَا :هَذَا مَحْمُولٌ عَلَى التَّعَمُّدِ لِقَتْلِهِمْ .قَالَ أَحْمَدُ :أَمَّا أَنْ يَتَعَمَّدَ قَتْلَهُمْ ، فَلَا .قَالَ : وَحَدِيثُ الصَّعْبِ بَعْدَ نَهْيِهِ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ ؛ لِأَنَّ نَهْيَهُ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ حِينَ بَعَثَ إلَى ابْنِ أَبِي الْحَقِيقِ.وَعَلَى أَنَّ الْجَمْعَ بَيْنَهُمَا مُمْكِنٌ ، يُحْمَلُ النَّهْيُ عَلَى التَّعَمُّدِ ،وَالْإِبَاحَةُ عَلَى مَا عَدَاهُ .‘‘

’’فصل :اور کفار پر رات کے وقت (اچانک)حملہ کرنا اور انہیں اس حملے میں قتل کرنا جائز ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ :رات کے وقت حملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور رومیوں پر حملے تو صرف رات کے وقت ہی ہوتے تھے۔ اور (امام احمد)نے فرمایا :’’ہمیں نہیں معلوم کہ کسی نے دشمن پر رات کے وقت حملہ کرنے کو مکروہ سمجھا ہو۔ انہیں سفیان نے زہری سے بیان کیا، اُنہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے الصعب بن جثامہ سے انہوں نے کہا کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے(ایسے وقت)سنا کہ(جب)آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرکوں کے گھروں کے بارے میں سوال کیاگیا کہ ہم رات کے وقت اُ ن پر جب حملہ کرتے ہیں تو ہم اُنکی عورتوں اور انکے بچوں کو نشانہ بناتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا کہ :''وہ تو اُنہی میں سے ہیں''۔ تو(امام احمد نے)کہا کہ اس کی سند جید (اچھی)ہے۔سو اگر کہاجائے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے توعورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا۔اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی شخص کے لیے ان (عورتوں،بچوں)کو جان بوجھ کرقتل کرنے کا ارادہ کرے تو یہ جائز نہیں۔مزید فرمایا کہ الصعب کی حدیث:آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عورتوں کو قتل کرنے سے منع کرنے کے بعد کی ہے ، اس لئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو قتل کرنے سے اُس وقت منع کیا تھاکہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن ابی الحقیق کی طرف(پیغام)بھیجاتھا،اور ان دونوں حدیثوں میں تطبیق یہ بنتی ہے کہ نہی(منع کرنا)کو ارادے سے قتل کرنے پر محمول کیاجائے جبکہ (قتل کے)جواز کو اس(کے ارادے کے بغیر)علاوہ پر محمول کیا جائے''۔

(المغنی،۲۱،ص۱۰۱،رقم:۷۵۷۵)

امام ابن ِ تیمیہ ؒ کہتے ہیں :

''نَعَمْ المحرَّم انما هو قصد قتلهن،فأمَّا اذا قصدن قصد الرِّجال بالاغارة أو برمی منجنیق أو فتح (شق)أو القاء نارٍ فتَلِف بذلک نساءٌ أو صبیان لم نأثم بذلک؛لحدیث الصَّعْبِ بن جَثَّامة أنہ سال النبی ﷺ أهل الدَّار من المشرکین یُبَیَّتُونَ فیُصاب الذُّرِّیة،فقال((هُمْ مِنْهُمْ))متفق علیہ،ولأن النبی ﷺ رمی أهل الطائف بالمنجنیق مع أنہ قد یصیب المرأة والصبی،وبکل حال فالمرأة الحربیة غیر مضمونة بقود ولا دیةٍ ولا کفارةٍ،لأن النبی ﷺ لم یأمر مَن قَتَل المرأة فی مغازیہ بشیئ من

ذلک،فهذا (ما تفارق) بہ المرأة الذمية، واذا قاتلت المرأة الحربية جاز قتلها بالاتفاق‘‘۔

’’عورتوں کو قتل کرنے کا ارادہ حرام ہے البتہ ہم جب (کفار)کے مردوں پر غارت ڈالنے یا توپ چلانے یا آگ پھینکنے کا قصد کرتے ہیں تو اس سے عورتوں اور بچوں کا بھی جانی نقصان ہوتا ہے مگر اس سے گناہ لازم نہیں آتا،اس کی دلیل حدیث صعب بن جثامہ ہے۔صعب بن جثامہ نے رسول کریم ﷺسے پوچھا کہ ’’مشرکین کے گھروں میں بچے بھی ہوتے ہیں اور شب خون مارتے وقت وہ بھی حملے کا شکار ہوجاتے ہیں(تو ان کا کیا حکم ہے)؟آپﷺنے فرمایا:’’وہ انہیں میں سے ہیں‘‘(بخاری ،مسلم)نبی کریم ﷺنے اہل طائف پر سنگ باری فرمائی تو اس میں عورتیں اور بچے بھی شکار بنے ،تو اس سے معلوم ہوا کہ حربی عورت (جوکہ ذمی نہ ہو یا کسی عہد کے تحت نہ ہو)اس کو قصداً مارنے پر کوئی سزا لازم نہیں آتی ،نہ ہی دیت اور نہ ہی کفارہ، اور یہ اس لئے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺنے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہیں کیا ان سے جنہوں نے جنگ کے دوران عورتوں کو قتل کیا ۔اس لئے اس حکم سے ذمی عورت کا فرق ظاہر ہوجاتا ہے۔ اور یہ بھی کہ حربی عورت جب جنگ میں شامل ہو تو اس کا قتل بالاتفاق جائز ہوجاتا ہے۔‘‘

(الصارم المسلول،متی حرم قتل النسآء)

یہاں یہ معلوم ہی ہے کہ بلاشبہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اچانک اور رات کے وقت حملے کی حالت میں بچوں کے قتل کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس ضرورت کے حجم کی تفصیل نہیں پوچھی کہ جس نے مجاہدین کو اس رات کے حملے

پر مجبورکیا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم(اسی ضرورت کی بنیاد)مجاہدین کے لئے کفار کے معصوم لوگوں یعنی عورتوں اور بچوں کے قتل کو جائز قرار دیں۔ جبکہ شرعی قاعدہ کہتاہے کہ:

’’ترک الاستفصال فی مقام الاحتمال ینزل منزلة العموم فی المقال‘‘

’’احتمال کے مقام پر تفصیل طلب نہ کرنا،قول کو عمومیت کا درجہ دے دیتاہے‘‘۔

لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمومیت والا فرمان کہ’’وہ اُنہی میں سے ہیں‘‘، بغیر کسی ضابطہ(مخصوص کرنے)کے اسلامی لشکر کے لئے جائز قرار دیتاہے کہ جب وہ دیکھیں کہ اُنہیں اچانک حملہ کرنے کی ضرورت ہے تو ان کے لئے ایسا کرنا جائز ہے، خواہ اسکے نتیجے میں عورتیں ،بچے اور بوڑھے وغیرہ مارے جائیں اورخواہ اچانک حملہ کرنے کی کوئی شدید ترین ضرورت نہ بھی ہو۔کیونکہ جس علت(سبب)کی خاطر رات کے وقت حملہ کرنے کی صورت میں عورتوں اور بچوں کا قتل کرنا جائز ہواہے وہ ہے دشمن کی قوت کو کمزور کرنے اور اسکے مدافعتی نظام پر کاری ضرب لگانے کی ضرورت ہے۔جو کہ اسکے مردوں کو قتل اور اسکے قلعوں کو گرانے سے حاصل ہوتی ہے، خواہ اس میں غیر جنگجو افراد ہی کام آجائیں۔

شیخ ناصر بن فہد فک اللہ اسرہ وہ احادیث جن میں بچوں اور عورتوں کے قتل کی ممانعت آئی ہے اور جن احادیث میں ان کے قتل کی اجازت دی ہے ،ان میں تطبیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اگر ہم ان ساری احادیث کو جمع کریں تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ دراصل جس بات سے منع کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں اور بچوں کو

قتل کرنے کی نیت سے ان پر حملہ کیا جائے۔البتہ اگر وہ ضمناً مارے جائیں ،مثلاً شب خون یا چھاپہ مار کاروائی کی صورت میں ،یا جب ان میں اور مقاتلین میں تمیز کرنا ممکن نہ ہو ،پھر انہیں قتل کرنے میں کوئی حرج نہیں،کیونکہ عورتوں اور بچوں کی موجودگی کی وجہ سے جہاد معطل نہیں کیا جاسکتا‘‘۔

(’’حکم استخدام أسلحہ الدمار الشامل ضد الکفار ‘‘باب دوم للشیخ ناصر بن فهد)

لہٰذا عورتوں اور بچوں کے قتل کے جواز کی علت،دشمن کے دفاع کو کمزور کرنا ہی ہے۔جیسا کہ عورتوں اور بچوں کے قتل کے جواز کی تمام نصوص(دلیلوں)سے واضح ہے(اور جن کا ذکر آئے گا)۔سو دشمن کی طاقت کے اسٹریٹجک مراکز کو نشانہ بنانے کے سبب عورتوں اور بچوں کا قتل ہونا یہ اچانک حملہ الغارہ برابر ہے۔کیونکہ وہ علت جس کی وجہ سے اچانک حملہ(الغارہ)میں کفار کے عورتوں اور بچوں کا قتل جائز ہوا، آج بھی وہی (علت)دشمن کے اسٹریجیٹک مراکز کی ایک بڑی شکل کی صورت میں موجود ہے،جس کی مصلحت صرف جنگجوؤں کے قتل سے بڑھ جاتی ہے۔

امام ابن قدامہؒ امام احمد بن حنبلؒ کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

’’لَا بَأْسَ بِالْبَيَاتِ،وَهَلْ غَزْوُ الرُّومِ الَّا الْبَيَات،قَالَ:وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا كَرِهَ بَيَاتَ الْعَدُوِّ ‘‘

’’شب خون مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے،کیا روم پر حملہ شب خون کے سوا کچھ بھی تھا ؟‘‘نیز آپ ؒنے یہ بھی فرمایا:’’ہمارے علم میں

نہیں کہ کسی نے دشمن پر شب خون مارنے کو ناپسند کیا ہو‘‘۔

(المغنی،ج۲۱،ص۱۰۱،رقم:۷۵۷۵)

حافظ ابن حجر عسقلانی ؒبھی امام احمد حنبل ؒکا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ:

’’لَا بَأْس بِالْبَيَاتِ وَلَا أَعْلَم أَحَدًا كَرِهَهُ‘‘۔

’’رات کے وقت ان(کفار)پر شب خون مارنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور میں نہیں جانتا کہ کسی (عالم)نے بھی اس بات سے اختلاف کیا ہو‘‘۔

(فتح الباری لابن حجر،ج۹،ص:۲۲۳،باب اہل الداریبیتون فیصاب)

دوسری صورت

کفار کے عورتوں ،بوڑھوں اور بچوں کا مسلمانوں کے خلاف جنگ میں کسی بھی طرح شریک ہونا

اُن معصوم الدّم لوگوں یعنی عورتوں،بچوں اور بوڑھوں وغیرہ کہ جن کا قتل کرنا حرام ہے،اُنہیں اس حالت میں قتل کرنا جائز ہے کہ جب وہ مسلمانوں کے خلاف ہتھیار اُٹھالیں یا ایسے کام سرانجام دیں کہ جو لڑائی کے کاموں کے معاون بنیں،خواہ یہ جاسوسی کرنے یا امداد دینے یارائے دینے یااسی طرح کے دوسرے کام ہوں۔

یہ (جواز)رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے علت کو اُس حدیث میں بیان کرنے کی وجہ سے واضح ہے

جواحمد اور ابوداؤد نے رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

((قَالَ كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةٍ فَرَأَى النَّاسَ مُجْتَمِعِينَ عَلَى شَيْئٍ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ انْظُرْ عَلَامَ اجْتَمَعَ هَؤُلَاءِ فَجَاءَ فَقَالَ عَلَى امْرَأَةٍ قَتِيلٍ فَقَالَ مَا كَانَتْ هَذِهِ لِتُقَاتِلَ قَالَ وَعَلَى الْمُقَدِّمَةِ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيدِ فَبَعَثَ رَجُلًا فَقَالَ قُلْ لِخَالِدٍ لَا يَقْتُلَنَّ امْرَأَةً وَلَا عَسِيفًا))

’’اُنہوں نے کہاکہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک غزوہ میں(شریک)تھے،توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کوکسی چیز پر اکٹھے ہوتے دیکھاتو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو بھیجا اور فرمایا دیکھو یہ لوگ کس چیز پر اکٹھے ہوئے ہیں۔تو وہ آدمی (واپس)آیا اورکہا،کہ ایک مقتول عورت پر،توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ،یہ تو لڑنے کی اہل نہ تھی ۔(راوی)کہتے ہیں کہ اس لشکر کے ہر اول دستے پر خالد بن ولید مامور تھے توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کوبھیجا اور فرمایا کہ:’’خالد سے کہو کہ کسی عورت کو قتل کرے اور نہ کسی مزدورکو‘‘۔

(سنن ابی داود،ج۷،ص۲۷۴،رقم الحدیث:۲۲۹۵)

علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ :

’’فان مفهومه أنها لو قاتلت لقتلت‘‘

’’اس حدیث کامفہوم یہ ہے کہ اگر وہ لڑائی کرے تو قتل کیے جائیں گے‘‘۔

(الفتح۶/۱۴۸)

امام النووی ؒنے صحیح مسلم کی شرح میں لکھاہے کہ:

’’أَجْمَعَ الْعُلَمَاء عَلَی الْعَمَل بِھَذَا الْحَدِیث،وَتَحْرِیم قَتْل النِّسَاء وَالصِّبْیَان اِذَا لَمْ یُقَاتِلُوا،فَاِنْ قَاتَلُوا قَالَ جَمَاھِیر الْعُلَمَاء:یُقْتَلُونَ ‘‘

’’ علماء کااس حدیث پر عمل کرنے اور عورتوں اور بچوں کے قتل کی حرمت پر اس صورت میں اجماع ہے کہ اگر وہ لڑائی نہ لڑیں۔اگر وہ بھی لڑیں تو جمہور علماء کا کہناہے کہ اس صورت میں اُنہیں قتل کیا جائیگا‘‘۔

(شرح النووی،ج۶،ص۱۸۸،رقم:۳۲۸۰)

آپؒمزید فرماتے ہیں:

’’وکذلک کل من لم یکن من أھل القتال لا یحل قتلہ الا اذا قاتل حقیقة أو معنی بالرأی والطاعة والتحریض وأشباہ ذلک)وتأمل قولہ ((قاتل حقیقة أو معنی بالرأی والطاعةوالتحریض وأشباہ ذلک‘‘

’’اسی طرح ہر اُس شخص کا قتل کرناحلال نہیں جو لڑائی کے اہل لوگوں میں سے نہ ہو ماسوائے اس کے کہ وہ حقیقت میں لڑے یارائے دے کر اور(دشمن کی)اطاعت کرکے اور لڑائی پر دشمن کوبرانگیختہ کرکے اور اسی قسم کے کسی دوسرے طریقے سے معنوی طور پرلڑائی میں حصہ لے‘‘۔

(شرح النووی علی مسلم ۷/۳۲۴)

آپ ذراامام النووی کے اس قول پر غور کیجئے کہ وہ حقیقت میں لڑے یا رائے دیکر اور (دشمن کی)اطاعت کرکے اور(دشمن کو)لڑائی پر اُبھار کر یا اسی قسم کے دوسرے طریقے سے معنوی طور پر لڑائی میں حصہ لیں شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے’’السیاسۃ الشرعیۃ ‘‘میں فرمایا کہ :

’’وأما من لم یکن من أھل الممانعة والمقاتلة کالنساء والصبیان والراھب، والشیخ الکبیر والأعمی الزّمِن ونحوھم فلا یُقتل عند جمھور العلماء الا أن یقاتل بقولہ أو فعلہ ،وان کان بعضھم یریاباحة قتل الجمیع لمجرد الکفر والأول ھو الصواب ‘‘

’’رہے وہ لوگ کہ جو جنگجوؤں اور لڑنے والوں میں شمار نہیں ہوتے جیسے عورتیں اوربچے اور راہب(پادری) اور بوڑھا شیخ اور دائمی نابینا اور ان جیسے دوسرے،توجمہور علماء کے نزدیک اُنہیں قتل نہیں کیاجائے گا ماسوائے اس کے کہ وہ اپنے قول یافعل کیساتھ لڑتے ہیں‘‘۔

(السیاسة الشرعیة ص:۱۳۲۔۱۳۳)

آپ ذرا اُن کے اس فرمان پرغورکریں کہ’’ ماسوائے اس کے کہ وہ اپنے قول یا فعل سے لڑے‘‘۔ یہ بات اور نووی کی سابقہ بات اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جن لوگوں کاقتل قصداً حرام ہے، اگر وہ مسلمانوں کے مخالف جنگجوؤں کی اپنے اقوال یا افعال کے ساتھ مدد کریں گے تو اُنہیں نشانہ بناکر قتل کرنا جائز ہے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان :

((انْطَلِقُوا بِاسْمِ اللَّهِ وَبِاللَّهِ وَعَلَى مِلَّةِ رَسُولِ اللَّهِ وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلًا وَلَا صَغِيرًا وَلَا امْرَأَةً وَلَا

تَغُلُّوا وَضُمُّوا غَنَائِمَكُمْ وَأَصْلِحُوا وَأَحْسِنُوا اِنَّ اللَّہَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ))

’’اللہ کانام لے کر نکلو،اور اس اللہ کے نام کے ساتھ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر ہوتے ہوئے،اور بہت زیادہ بوڑھے شیخ کو قتل کرو اور نہ بچے کو اور نہ چھوٹے کو اورنہ عورت کو ،اور غنیمتوں میں خیانت نہ کرو،اور اپنی غنیمت کو اکٹھاکرو،اور اصلاح کرو،بلاشبہ نیکی کرنے والوں کو اللہ پسند کرتاہے‘‘۔

(سنن ابی داود،ج۷،ص۱۹۵،رقم الحدیث۲۲۴۷)

اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان:

’’وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا ‘‘

’’اور کسی بہت زیادہ بوڑھے شیخ کو قتل نہ کرو ۔‘‘

کی شرح کرتے ہوئے عون المعبود کے مؤلف فرماتے ہیں کہ:

’’أَىْ اِلَّا اِذَا كَانَ مُقَاتِلًا أَوْ ذَا رَأْى،وَقَدْ صَحَّ أَمْرہ عَلَيْہِ السَّلَام بِقَتْلِ دريد بن الصمة،وَكَانَ عُمْرہ مِائَة وَعِشْرِينَ عَامًا أَوْ أَكْثَر،وَقَدْ جِيئَ بِہ فِى جَيْش هَوَازِن لِلرَّأْىِ الظَّاهِر أَنَّہ بَدَل أَوْ بَيَان أَىْ صَبِيًّا دُون الْبُلُوغ وَاسْتُثْنِىَ مِنْہ مَا اِذَا كَانَ مَلِكًا أَوْ مُبَاشِرًا لِلْقِتَالِ أَىْ اذَا لَمْ تَكُنْ مُقَاتِلَة أَوْ مَلِكَة‘‘

’’ یعنی،مگر یہ کہ وہ لڑنے والا ہویا(دشمن کو)رائے دینے والا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا درید بن الصمہ کو قتل کرناصحیح حدیث سے ثابت ہے ،حالانکہ اس کی عمر ایک سو بیس

سال تھی یا اس سے زیادہ تھی،اس لئے کہ اُسے ہوازن (قبیلہ)کے لشکر میں رائے دینے کے لئے لایا گیا تھا. اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ نہ بچے کو نہ چھوٹے کواس سے اُسے مستثنیٰ کیا گیا ہے، جو بادشاہ ہو یا لڑائی میں براہ راست حصہ لینے والا ہو نہ کسی عورت کو یعنی اگر وہ لڑنے والی نہ ہو یا ملکہ نہ ہو‘‘ ۔

(عون المعبود،ج۶،ص۳۷،رقم:۲۲۴۷)

امام الزیلائی ؒفرماتے ہیں :

’’فَاِذَا کَانَ یَجُوزُ قَتْلُ صِبْیَانِ الْمُشْرِکِینَ لِمَصْلَحَةِ الْمُسْلِمِینَ فَقَتْلُ شُیُوخِهِمْ أَوْلَی اذَاکَانَ فِیِ مَصْلَحَةٌ بِأَنْ کَانَ مَلِکًا وَاِنْ لَمْ یَکُنْ فِیِ مَصْلَحَةٌ لَا یُقْتَلُ اِلَّا اذَا قَاتَلَ فَیُقْتَلُ دَفْعًا‘‘

’’اگر اس کی اجازت ہے کہ مشرکین کے بچوں کو قتل کیا جائے مسلمانوں کی مصلحت کے لئے تو بوڑھوں کو قتل کرنے کی اجازت اس سے بھی زیادہ جائز ہے اگر یہ کرنے سے فائدہ ہوجیسے وہ اگر بادشاہ ہو،مگر جب فائدہ نہ ہو تب ان کو نہیں قتل کرنا چاہئے الا یہ کہ وہ لڑیتو اس صورت میں ان کو قتل کرنا چاہئے،تاکہ ان کے (نقصان)سے بچا جاسکے‘‘ ۔

(تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق،ج۹،ص۲۸۱،کتاب السیر)

فقہاء نے ایسی عورت کے قتل کے جواز کا کہا ہے کہ جو مسلمانوں کیخلاف لڑائی میں جنگجوؤں کی مادی یا معنوی کسی بھی قسم کی اعانت کرے ۔ اُنہوں نے اس کیلئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ابن ماجہ میں مروی حدیث سے استدلال کیا ہے،کہ جب رسول

صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا تو ایک عورت قلعہ پرچڑھی اور اس نے مسلمانوں کے سامنے اپنی شرمگاہ کو ننگا کردیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((ھا دونکم فارموھا))

’’ یہ تمہارے سامنے ہے اسے تیر مارو‘‘۔

تو(صحابہ کرام)نے اُسے تیر مارا اور اُسے قتل کرڈالا۔ اگر چہ یہ حدیث ضعیف ہے مگر پھر فقہاء نے اس حدیث سے ایسی عورت کے قتل کے جواز پر استدلال کیا ہے کہ جو کہ اگر چہ لڑائی نہ کرے مگر (مسلما نوں کے خلاف)جنگ کرنے والوں کی کسی قول یا فعل سے اعانت کرے تو اُسے قصداً قتل کرناجائزہے۔ امام ابن قدامہؒ نے میں فرمایا:

’’فَصْلٌ:وَلَوْ وَقَفَتْ امْرَأَةٌ فِی صَفِّ الْكُفَّارِ أَوْ عَلَى حِصْنِهِمْ ،فَشَتَمَتْ الْمُسْلِمِينَ ، أَوْ تَكَشَّفَتْ لَهُمْ ،جَازَ رَمْيُهَا قَصْدًا ؛ لِمَا رَوَى سَعِيدٌ:حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ،عَنْ عِكْرِمَةَ،قَالَ:((لَمَّا حَاصَرَ رَسُولُ اللہِ صَلَّى اللہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ أَهْلَ الطَّائِفِ أَشْرَفَتْ امْرَأَ ةٌ،فَكَشَفَتْ عَنْ قُبُلِهَا،فَقَالَ:هَا دُونَكُمْ فَارْمُوهَا.فَرَمَاهَا رَجُلٌ مِنْ الْمُسْلِمِينَ،فَمَا أَخْطَأَ ذَلِكَ مِنْهَا))وَيَجُوزُ النَّظَرُ الَى فَرْجِهَا لِلْحَاجَةِ الَى رَمْيِهَا ؛لِأَنَّ ذَلِكَ مِنْ ضَرُورَةِ رَمْيِهَا.وَكَذَلِكَ يَجُوزُ رَمْيُهَا إذَا كَانَتْ تَلْتَقِطُ لَهُمْ السِّهَامَ،أَوْ تَسْقِيهِمْ،أَوَتُحَرِّضُهُمْ عَلَى الْقِتَالِ؛لِأَ نَّهَا فِی حُكْمِ الْمُقَاتِلِ.وَهَكَذَا الْحُكْمُ فِی الصَّبِيِّ وَالشَّيْخِ وَسَائِرِ مَنْ مُنِعَ مِنْ قَتْلِ مِنْهُمْ ‘‘

’’فصل :اگرکوئی عورت کفار کی صف میں یا اُنکے قلعہ پر کھڑی ہوکر مسلمانوں کو گالیاں دے یا اُنکے سامنے ننگی ہوجائے تو اُسے قصداً

مارناجـــــــائزہے۔جس کی وجہ وہ روایت ہے کہ جس میں سعید نے کہا کہ ہمیں حمـاد بن زیـد نے بیان کیاکہ ایوب سے اُنہوں نے عکرمہ سـے انہوں نے کہا کہ جب رسـول صـلی اللہ علیہ وسـلم نے طائف والوں کا محاصرہ کیا توا یک عـورت ظـاہر ہوئی اور اس نے اپنی شرمگاہ کـو ننگـا کردیـا تـو نـبی صـلی اللہ علیہ وسـلم نے فرمایـا یہ تمہارے سـامنے ہے اسـے تـیر ماروتواُسـے مسـلمانوں میں ایـک مسـلماننے تـیر مـارا اور اُس کـا نشـانہ اُس عورت کی شرمگاہ سے نہ چوکـا۔ اور(اس حـالت میں)اُس (عورت)کی شرمگاہ کی طرف، اُس پـر تیر مارنے کیلئے دیکھنا جائز ہے کیـونکہ یہ اس(کی شرمگاہ پر تیر)چلانے کی ضرورت کی غـرض سـے ہے۔ اسـی طـرح اُسـے تـیر مارنـا اُس وقت بھی جـائزہے کہ جب وہ ان پـر (دشـمنوں)کے لـئے تـیر اِکٹھے کرے یـا اُنہیں پـانی پلائے یـا انہیں لـڑائی پـر اُبھارے کیونکہ یہ اس صورت میں جنگجـو کے حکم میں ہے۔یہی اس (عورت)کا اور تمـام لوگـوں کـا (شرعی)حکم ہے کہ جن کے قتل سے منع کیـا گیـا ہے‘‘۔

(المغنی،ج۲۱،ص۱۰۴،رقم:۷۵۷۸)

امام ابن عبد البر ؒنے میں فرمایا:

’’لم یختلـــف العلمـــاء فیمن قاتـــل من النســـاء والشیوخ أنہ مبـاح قتلہ،ومن قـدر علی القتـال من الصبیان وقاتل قتل ‘‘

’’علماء کا اس کے بـارے میں کـوئی اختلاف نہیں کہ جو عورتوں اور بوڑھوں میں سے لڑے تو اســکا قتـل کرنـا جـائز ہے۔اور بچـوں میں جـو لـڑنے کی

قدرت رکھے اورلڑے تو اُسے(بھی)قتل کیا جائے گا‘‘۔

(الاستذکار ۷۴/۱۴)

امام ابن عبد البرؒنے میں کہا کہ :

’’وأجمعوا علی أن رسول اللّٰہ ﷺقتل درید بن الصمة یوم حنین لأنہ کان ذا رأی ومکیدة فی الحرب،فمن کان ھکذا من الشیوخ قتل عند الجمیع ‘‘

’’علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ بلا شبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے درید بن الصمہ کو حنین کے روز قتل کیا تھا کیونکہ وہ جنگ میں مشورہ دینے والا اور سازش کرنے والا تھا،لٰہذا بوڑھوں میں سے جو کوئی بھی اس طرح کا ہو تو سب (علماء)کے نزدیک اُسے قتل کیا جائے گا‘‘

(التمهید ۱۶/۴۲)

امام ابن قدامہؒنے بھی اسی بات پرعلماء کا اجماع نقل کیاہے کہ عورتوں،بچوں اور بڑی عمر کے لوگوں کا قتل ایسے وقت میں جائزہے کہ جب وہ لڑائی میں اپنی قوم کی کسی بھی قسم کی اعانت کریں۔اسی طرح النووی نے مسلم کی شرح میں کتاب الجہاد میں یہ اجماع نقل کیاہے:

’’وَأَمَّا شُيُوخ الْكُفَّار فَاِنْ كَانَ فِيهِمْ رَأْى قُتِلُوا‘‘

’’کفار کے ایسے بوڑھے کہ جوصاحب رائے ہو تو اسے قتل کیا جائے گا‘‘۔

(شرح النووی علی مسلم،ج۶،ص۱۸۸،رقم:۳۲۸۰)

امام ابن النحاس ؒفرماتے ہیں:

’’ویحرم قتل المرأۃ والصیبی ان لم یقاتلا،عند الشافعی ومالک واحمد وابی حنیفۃ،فان قاتلاقتلا۔‘‘

’’کفار کی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی ممانعت ہے۔ اگر وہ نہ لڑیں۔امام شافعیؒ،مالکؒ،احمدؒ،اور ابوحنیفہؒ کے مطابق مگر جب وہ لڑیں تب ان کو ماراجائے گا‘‘۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۲۳۔ھداۃ المجتھد،ج۱،ص۴۰۰)

امام ابن الہمامؒ فرماتے ہیں:

’’اور جیسے کہ کوئی بھی ان میں سے لڑے (یعنی جن کے قتل کی اصلاًممانعت ہے)تو ان کو قتل کرنا چاہئے تاکہ ان کے نقصان سے بچاجاسکے یہ اس لئے کہ(حقیقت قتال)میں جائز ہے اور پاگل شخص کو نہیں مارا جائیگا جب تک وہ نہ لڑے اور اگر بچے اور پاگل لڑے تو ان کو قتل کیا جائیگا‘‘۔

(شرح فتح القدیر،ج۵،ص۲۰۳)

امام ابن عابدین ؒفرماتے ہیں:

’’اور اس طرح اس کی اجازت ہے کہ گونگے،بہرے کو قتل کیا جائے اور جس کا ایک ہاتھ یا ٹانگ ہو اس لئے کہ یہ ممکن ہے کہ وہ لڑسکتے ہوں(گھوڑے پر)اور اس طرح عورت کو قتل کیا جائیگا اگر وہ لڑے‘‘۔

(حاشیہ ابن عابدین،ج۳،ص۲۲۵)

ابن قاسم نے الحاشیہ میں(یہ اجماع)نقل کرتے ہوئے لکھاہے:

’’وأجمعوا على أن حكم الردئ حكم المباشر فى الجهاد،ونقل عن ابن تيمية رحمہ اللہ هذا الاجماع،ونقل عن ابن تيمية أيضا أن أعوان الطائفة الممتنعة وأنصارها منها فيما لهم وعليهم

’’(علماء)کا اس بات پر اجماع ہے کہ جہاد میں(پیچھے سے)دفاع کرنے کاحکم براہ راست لڑنے کا حکم ہے‘‘۔اس پر انہوں نے ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے اجماع نقل کیاہے۔ابن تیمیہ رحمہ اللہ ہی سے یہ بھی نقل کیا کہ طاقت وشوکت والے(لڑنے والی)جماعت کے مددگار اُسی حکم کے تحت (شمار کئے جائیں گے)جوحکم اس جماعت کے لئے ہے۔ جو کچھ اس(لڑنے والی جماعت)پرہے وہی ان (مددگاروں)کے لئے اور اُن پرلاگو ہوگا‘‘۔

یہ شرعی حکم ہے ان لوگوں کا کہ جو جنگ میں کفارکی اعانت کرتے ہیں اور یہ معصوم الدم یعنی عورتیں،بچے،بوڑھے اور جو کوئی ان کے حکم میں ہو جنہیں آج کے اس دور میں ’’عام شہری ‘‘کہاجاتاہے۔

لہٰذاآج کفار کے ممالک کے عوام فیصلہ کرنے والوں اور اہل رائے میں شمارہوتے ہیں خواہ یہ رائے عسکری ہو یا سیاسی کیونکہ کفار کے ممالک کی انتظامیہ جن رائے عامہ کی بنیاد پر فیصلہ کرتی ہے وہ اس بات کی جانب اشارہ کرتی ہیں کہ بلاشبہ ان کی عوام ہی اپنے براہ راست ووٹوں کے ذریعے اور پارلیمنٹ میں اپنے نمائندوں کے ووٹوں کے ذریعے بالواسطہ طور پرفیصلے کرتے ہیں۔لہٰذا رائے عامہ سے پتہ چلتاہے کہ ہر جگہ اور ہر وقت اسلام دشمنی کے ان کے سیاسی فیصلوں میں ان کی عوام کا بہت بڑا حصہ ہوتاہے۔

لٰہذا ہر جگہ ان کفار کے ممالک کے عوام کو خواہ جو اپنے ہاتھ سے لڑے یا اپنی رائے سے لڑائی(اپنی حکومت)کی اعانت کرے، نشانہ بنانا،ایک ایسا معاملہ ہے کہ جس کی شریعت اجازت دیتی ہے۔ چونکہ یہ ان کے عوام کی غالب اکثریت کی حالت ہے اس لئے شرعی حکم بھی غالب اکثریت کی بناء پر عام ہوتاہے۔

تیسری صورت

جب دشمن پر عام تباہی مسلط کرنا مقصود ہو

عورتوں ،بچوں اوربوڑھوں کے قتل کے جواز کی حالتوں میں سے ایک یہ ہے کہ جب دشمن کے قلعوں کو فتح کرنے کیلئے مسلمانوں کو انہیں جلانے یا پانی میں غرق کرنے یا ان میں زہر پھیلانے یا اُن میں دھواں پھیلانے یاان میں سانپ،بچھو اور زہریلے کیڑے مکوڑے چھوڑنے کی ضرورت پڑے خواہ اس کے نتیجے میں معصوم لوگ ہی مارے جائیں۔

امام بخاریؒ نے یہ حدیث نقل فرمائی کہ:

((بَاب حَرْقِ الدُّورِ وَالنَّخِيلِ:عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ حَرَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَخْلَ بَنِي النَّضِيرِ)).

’’کھجور کے درختوں اورگھروں کا جلانے کا باب
ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو جلا ڈالا‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۱۰،ص۲۱۹،رقم الحدیث:۲۷۹۸)

((عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِی النَّضِیرِ وَقَطَعَ وَهِیَ الْبُوَیْرَةُ فَأَنْزَلَ اللّٰہُ تَعَالَی مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِینَةٍ أَوْ تَرَکْتُمُوهَا قَائِمَةً عَلَی أُصُولِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰہِ وَلِیُخْزِیَ الْفَاسِقِینَ۔))

’’ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو جلا ڈالااور کاٹ ڈالابویرہ نامی زمین میں۔پس اللہ تعالی نے یہ (آیت)نازل کی:’’تم نے کھجور کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنہیں تم نے ان کی جڑوں پر باقی رہنے دیا ہے سب اللہ تعالیٰ کے اذن سے تھا اور اس لئے بھی کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں کو رسوا کرے‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۱۵،ص۱۵۱،رقم الحدیث:۴۵۰۵)

((عَنْ أُسَامَةَ بْنِ زَیْدٍ قَالَ بَعَثَنِی رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی قَرْیَةٍ یُقَالُ لَهَا أُبْنَی فَقَالَ ائْتِ أُبْنَی صَبَاحًا ثُمَّ حَرِّقْ))۔

’’حضرت اسامہ بن زید ؓسے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺنے انہیں ’’اُبنیٰ‘‘(یایبنیٰ) نامی سرزمین کی طرف بھیجا اور فرمایا :’’صبح وہاں جاؤ،پھر اس (بستی)کو جلاڈالو‘‘۔

(مسند احمد،ج۴۴ص۲۵۶،رقم الحدیث:۲۰۷۸۶۔سنن ابن ماجة،ج۸ص۳۶۸،رقم الحدیث:۲۸۳۳)

امام ابن الاثیرؒنے فرمایا:

’’أُبنی ویُبنی:اسم موضع بین عسقلان والرملة من أرض فلسطین‘‘

’’اُبنی اور یُبنی:سرزمین پر الرملہ اور عسقلان کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے۔

(جامع الاصول ۲/۶۱۷)

لہٰذا دشمن کو جلانا، یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جنگ کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ یہ تومعلوم ہی ہے کہ بلاشبہ آگ جلانے سے کئی معصوم لوگ بھی قتل ہوجاتے ہیں اور اسی طرح جانور اورکھیتیاں ہلاک ہوتی ہیں اور ان سب کو زندہ بچائے رکھنے کی مصلحت،انہیں ختم کرنے کی مصلحت سے کم تر ہے۔ کیونکہ شوکت وقوت والے دشمن کے قتل کرنیکی مصلحت،اُسکے علاوہ دوسروں کو(زندہ)چھوڑنے کی مصلحت سے زیادہ بڑی ہے۔

امام ابن قدامہؒ نے المغنی میں فرمایا:

’’وَقَدْ رَوَى حَمْزَةُ الْأَسْلَمِيُّ،أَنَّ رَسُولَ اللَّ صَلَّى اللَّ عَلَيْ وَسَلَّمَ أَمَّرَ عَلَى سَرِيَّةٍ ، قَالَ:فَخَرَجْت فِيهَا،فَقَالَ:((انْ أَخَذْتُمْ فُلَانًا،فَأَحْرِقُو بِالنَّارِ))فَوَلَّيْت، فَنَادَانِی،فَرَجَعْت،فَقَالَ:((انْ أَخَذْتُمْ فُلَانًا،فَاقْتُلُو،وَلَا تَحْرِقُو؛فَإِنَّ لَا يُعَذِّبُ بِالنَّارِ الَّا رَبُّ النَّارِ))رَوَا أَبُو دَاوُد ،وَسَعِيدٌ .وَرَوَى أَحَادِيثَ سِوَا فِی هَذَا الْمَعْنَى.وَرَوَى الْبُخَارِیُّ ،وَغَيْرُ ،عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ رَضِیَ اللَّ عَنْ عَنْ النَّبِیِّ صَلَّى اللَّ عَلَيْ وَسَلَّمَ نَحْوَ حَدِيثِ حَمْزَةَ .فَأَمَّا رَمْيُهُمْ قَبْلَ أَخْذِهِمْ بِالنَّارِ،فَإِنْ أَمْكَنَ أَخْذُهُمْ بِدُونِهَا،لَمْ يَجُزْ رَمْيُهُمْ بِهَا ؛ لِأَنَّهُمْ فِی مَعْنَى الْمَقْدُورِ عَلَيْ ،وَأَمَّا عِنْدَ الْعَجْزِ عَنْهُمْ بِغَيْرِهَا ، فَجَائِزٌ ، فِی قَوْلِ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ .وَبِ قَالَ الثَّوْرِیُّ،وَالْأَوْزَاعِیُّ ، وَالشَّافِعِیُّ.وَرَوَى سَعِيدٌ،بِإِسْنَادٍ عَنْ صَفْوَانِ بْنِ عَمْرٍو ،وَحَرِيزِ بْنِ عُثْمَانَ أَنَّ جُنَادَةَ بْنَ أَمَيَّةَ الْأَزْدِیَّ ،وَعَبْدَ اللَّ بْنَ قَيْسٍ الْفَزَارِیَّ،وَغَيْرَهُمَا مِنْ وُلَاة الْبَحْرَيْنِ،وَمَنْ

بَعْدَهُمْ،كَانُوا يَرْمُونَ الْعَدُوَّ مِنْ الرُّومِ وَغَيْرِهِمْ بِالنَّارِ، وَيُحَرِّقُونَهُمْ،هَؤُلَاء ِ لِهَؤُلَاء ِ ،وَهَؤُلَاء ِ لِهَؤُلَاء ِ.قَالَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ قَيْسٍ:لَمْ يَزُلْ أَمْرُ الْمُسْلِمِينَ عَلَى ذَلِكَ .‘‘

’’حمزہ الاسلمی رضی اللہ عنہ نے روایت کی کہ بلاشبہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے ایک دستے میں امیر بنایا(حمزہ)کہتے ہیں کہ میں اس (دستے)کے ساتھ نکلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم فلاں آدمی کو پکڑو تو اسے آگ سے جلا ڈالو ۔ (حمزہ کہتے ہیں کہ میں)جانے کے لئے مڑا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی،تو میں واپس لوٹ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایاکہ اگر تم فلاں کو پکڑو تواُسے قتل کرڈالو مگرجلانا نہیں کیونکہ آگ سے سوائے آگ کے رب کے اور کوئی نہیں جلاتا۔اسے ابوداؤد اور سعید نے روایت کیا اور (سعید)نے اس معنی کی اس کے علاوہ کئی احادیث بیان کی ہیں اور امام بخاری وغیرہ نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حمزہ کی حدیث کی مانند روایت کی ہے۔لہٰذا ان کفار کوآگ سے جلائے بغیرپکڑنا ممکن ہوتو پھر انہیں جلانا جائز نہیں کیونکہ وہ اُن لوگوں کے حکم میں شامل ہوجاتے ہیں کہ جن پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ اگر اس (جلانے کے)بغیر انہیں پکڑنا ناممکن ہوتو اس صورت میں اکثر اہل علم کے نزدیک یہ جائزہے۔یہی موقف الثوریؒ،الاوزاعیؒ اورالشافعیؒ نے اختیار کیا ہے۔ سعید نے اپنی اسناد کے ساتھ صفوان بن عمرو اورجریر بن عثمان سے روایت کیا ہے کہ بلاشبہ جنادہ بن امیہ الازدی اور عبداللہ بن قیس الفزازی اور اُن کے علاوہ بحرین کے حکمران اور ان کے بعد آنے والے(حکمران)رومی دشمنوں وغیرہ پر آگ پھینک کر انہیں جلاتے تھے، یہ انہیں

اور وہ اُنہیں جلاتے۔عبـــداللہ بن قیس نے کہا کہ مسلمانوں کا معاملہ اسی طرح چلتارہا‘‘۔

(المغنی،ج۲۱،ص۱۰۰،رقم:۷۵۷۳)

امام ابن قدامہ ؒمزید فرماتے ہیں:

’’فَصْـــــلٌ:وَکَـــــذَلِکَ الْحُکْمُ فِی فَتْحِ الْبُثُـــــوقِ عَلَیْھِمْ،لِیُغْـرِقَھُمْ،انْ قُـدِرَ عَلَیْھِمْ بِغَیْـرِہ،لَمْ یَجُـزْ ،اذَا تَضَمَّنَ ذَلِـکَ اتْلَافَ النِّسَـاءِ وَالذُّرِّیَّۃ،الَّذِینَ یَحْرُمُـاتْلَافُھُمْ قَصْـدًا ،وَ اِنْ لَمْ یُقْـدَرْ عَلَیْھِمْ الَّا بِہِ ،جَـازَ،کَمَـا یَجُوزُ الْبَیَاتُ الْمُتَضَمِّنُ لِذَلِکَ ‘‘

’’ اسی طـرح (دریـاؤں ،جھیلـوں وغـیرہ کے)بنـد دشمن کو غرق کرنے کیلئے کھول دیـنے کـاحکم ہے کہ اگر اس کے بغیر اُس پرغلبہ حاصل ہوجائے تـو ایسا(غرق کـرنے کـا)کـام جـائز نہیں کہ جس میں وہ عورتیں اور بچے ضائع ہونے کـا اندیشـہ ہو کہ جنہیں قصداً ضائع کرنا حرام ہوتاہے۔ اگر دشمن پر اس (کام)کے بغیر غلبہ ممکن نہ ہو تـو پھـر یہ اُسی طرح جائز ہے کہ جیسے رات کے وقت حملہ کر نے میں ان (معصوم لوگـوں)کے ضـائع ہونے کـا اندیشہ ہوتا ہے‘‘

(المغنی،ج۲۱،ص۱۰۰،رقم:۷۵۷۴)

امــام النــووی ؒنے المنہاج اور مغـنی المحتـاج کی شرح میں کہا:

’’وَیَجُــوزُ حِصَــارُ الْکُفَّارِ فِی الْبِلَادِ وَالْقِلَاعِ وَاِرْسَــالُ الْمَاءِ عَلَیْھِمْ وَرَمْیُھُمْ بِنَارٍ وَمَنْجَنِیقَ ‘‘

’’ کفار کا کسـی علاقے اور قلعـوں میں محاصـرہ کرنا اور اُن پرپانی چھوڑنا اورآگ اور منجـنیق سـے

گــولہ بــاری کرنــا اورغفلت کے اوقــات میں اُن پرحملہ کرنا جائزہے‘‘۔

(مغنی المحتاج،١٧،ص٣٠٣)

مغـنی المحتـاج کے مؤلـف،امـام النـووی کی بـات پـر تعلیق کرتے ہوئے اپنی مصدر میں کہتے ہیں کہ:

’’وَمَا فِي مَعْنَى ذَلِكَ مِنْ هَدْمِ بُيُوتِهِمْ،وَقَطْعِ الْمَــاءِ عَنْهُمْ،وَإِلْقَاءِ حَيَّاتٍ أَوْ عَقَارِبَ عَلَيْهِمْ وَلَوْ كَانَ فِيهِمْ نِسَــاءٌ وَصِــبْيَانٌ لِقَــوْلِهِ تَعَــالَى:وَخُــذُوهُمْ وَاحْصُــرُوهُمْ،وَفِي الصَّــحِيحَيْنِ((أَنَّهُ صَــلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَــلَّمَ حَاصَــرَ أَهْــلَ الطَّائِفِ))وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ ’’أَنَّــهُ نَصَبَ عَلَيْهِمْ الْمَنْجَنِيقَ ‘‘،وَقِيسَ بِهِ مَا فِي مَعْنَــاهُ مِمَّا يَعُمُّ الْإِهْلَاكُ بِهِ .

’’اسـی معـنی میں ان کے گھـر منہدم کـرنے، اُنکـا پانی روکنا اور اُن پـر سـانپ یـا بچھـو پھینکنـا ہے، خــواہ اُن میں عــورتیں اور بچے ہی ہوں۔ اللہ تعــالی کے اس فرمــان کی روسے:وَخُــذُوهُمْ وَاحْصُـرُوهُمْ ’’ان کـو پکـڑو اور ان کـو گھـیرو‘‘۔ صـحیحین میں ہے کہ بلاشـبہ آپ صـلی اللہ علیہ وســلم نے طــا ئــف کــا گھـیراؤ کیــا اوربیہقی اور صـحیحین میں ہے کہ بلاشـبہ آپ صـلی اللہ علیہ وسلم نے منجنیق نصب کی۔ اسی پر ہر اُس چـیز کا قیاس کیا گیا کہ جس سے عام ہلاکتیں ہوں‘‘۔

(مغنی المحتاج،١٧،ص٣٠٣)

مزید فرماتے ہیں:

’’وَظَاهِرُ كَلَامِهِمْ أَنَّهُ يَجُـوزُ اتْلَافُهُمْ بِمَـا ذُكِـرَ وَإِنْ قَدَرْنَا عَلَيْهِمْ بِدُونِهِ ‘‘

’’ اُن کی باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُنہیں مذکورہ(ہتھیاروں)سے ہلاک کرنا جائز ہے، خواہ ہم اُن پر اس کے غلبے کے بغیر ہی غلبہ حاصل کرسکتے ہوں‘‘۔

(مغنی المحتاج،۱۷،ص۳۰۳)

صحابہ اپنے دشمنوں کے ساتھ یہی سلوک اپناتے تھے۔ سنن سعید بن منصور میں آیا ہے کہ :

((أن جنادة بن أبی أمیرة الأزدی وعبد اللّٰہ بن قیس الفزازی وغیرهما من ولاة البحر من بعدهم کانوا یرمون العدو من الروم وغیرهم بالنار،ویحرّقونهم هؤلاء لهؤلاء،وهؤلاء لهؤلاء))

’’بلاشبہ جنادہ بن امیہ الازدی اور عبداللہ بن قیس الفزازی اور اُن کے علاوہ ان کے بعد آنے والے دوسرے بحرین کے حکمران رومی دشمنوں وغیرہ پر آگ پھینکتے تھے اور یوں اُنہیں جلاتے اور وہ اُنہیں جلاتے تھے‘‘۔

(سنن سعید بن منصور۲/۲۴۴)

عبد اللہ بن قیس الفزازی سے روایت ہے کہ:

((أنہ کان یغزو علی الناس فی البحر علی عهد معاویة وکان یرمی العدو بالنار ویرمونہ،ویحرقهم ویحرقونہ وقال:لم یزل أمر المسلمین علی ذلک))

’’وہ معاویہ کے عہد میں لوگوں پر سمندر میں حملہ کرتے اور وہ دشمن پرآگ پھینکتے اور وہ(دشمن)ان پر،یہ اُنہیں جلاتے اور وہ انہیں

انہوں نے کہا مسلمانوں کا معاملہ اسی طرح چلتا رہا''۔

فتح القدیر میں ہے:

’’قَالَ (وَنَصَبُوا عَلَيْهِمْ الْمَجَانِيقَ)كَمَا نَصَبَ رَسُولُ اللَّہِ عَلَيْہِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى الطَّائِفِ(وَحَرَّقُوهُمْ)لِأَنَّہُ عَلَيْہِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ أَحْرَقَ الْبُوَيْرَةَ.قَالَ(وَأَرْسَلُوا عَلَيْهِمْ الْمَاءَ وَقَطَّعُوا أَشْجَارَهُمْ وَأَفْسَدُوا زُرُوعَهُمْ)لِأَنَّ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ الْحَاقَ الْكَبْتِ وَالْغَيْظِ بِهِمْ وَكَسْرَةَ شَوْكَتِهِمْ وَتَفْرِيقَ جَمْعِهِمْ فَيَكُونُ مَشْرُوعًا،(وَلَا بَأْسَ بِرَمْيِهِمْ،وَإِنْ كَانَ فِيهِمْ مُسْلِمٌ أَسِيرٌ أَوْ تَاجِرٌ)لِأَنَّ فِي الرَّمْيِ دَفْعَالضَّرَرِ الْعَامِّ بِالذَّبِّ عَنْ بَيْضَةِ الْإِسْلَامِ،وَقَتْلُ الْأَسِيرِ وَالتَّاجِرِ ضَرَرٌ خَاصٌّ‘‘

''اور فرمایا (اور ان کفار پر منجنیق نصب کرسکتے ہیں)جیسا کہ نبی کریمﷺنے اہل طائف پرمنجنیق نصب کی(اور ان کو جلاسکتے ہیں)جیساکہ رسول اللہﷺنے جلایاتھا بویرہ کی زمین کو ۔پھر فرمایا (اور ان پر پانی چھوڑا جاسکتاہے اوردرخت کاٹے جاسکتے ہیں اور ان کی کھیتیاں برباد کی جاسکتی ہیں)تاکہ اس کے ذریعہ سے ان پر غیض و غضب کا اظہار ہو سکے اور ان کی قوت کمزور پڑجائے اور ان کی جماعت بکھر جائے ،پس یہ سب افعال شریعت کی نظر میں جائز ہیں۔(اسی طرح ان پر سنگ باری کی جاسکتی ہے چاہے ان میں مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر موجود ہوں)کیونکہ عام سنگ باری کے ذریعہ اس عام ضرر کو دور کیا جاتاہے جوکہ اسلام کے روشن چہرے کو بگاڑ رہا ہو،لہذا مسلمان قیدی یا تاجر کا قتل ایک استثنائی معاملہ ہے''۔

(فتح القدیر،ج۱۲،ص۳۱۸)

امام ابن نحاس ؒفرماتے ہیں:

’’یجوزنصب المنجنیق علیھم ورمیھم بالنار وارسال الماء علیھم ،وان کان فیھم نساء وصبیان منھم،فان کان فیھم مسلم أسیر أوتاجر أومستامن کرہ ان لم تکن ضرورة والا لم یکرہ علی الذھب‘‘

’’اسکی اجازت ہے کہ ان پر حملہ کیاجائے منجنیق،آگ،پانی میں غرق کرنے سے اگرچہ اس میں عورتیںاور بچے کیوں نہ ہوں،مگر جب ایک مسلمان قیدی یا تاجر یا مستامن ہوتو تب یہ مکروہ ہے مگر یہ کہ کوئی ضرورت ہو‘‘۔

(مشارع الاشواق،ج۲،ص۱۰۲۴)

امام بدرالدین عینی ؒفرماتے ہیں:

’’حدیث ابن عمررضی اللہ عنہ دال علی للمسلمین ان یکیدوا عدوھم من المشرکین بکل مافیہ تضعف شوکتھم،وتھین کیدھم،وتسھیل الوصول الی الظفر بھم،من قطع ثمارھم ،وتغویر میامھم،والتضیق علیھم بالحصار،وممن اجاز ذلک الکوفیون ومالک والشافعی واحمد واسحاق والثوری وابن القاسم،وقال الکوفیون:یحرق شجرھم،وتحرق بلادھم،وتذبح الانعام وتعرقب اذا لم یمکن اخراجھا‘‘

’’ اور ابن عمر ؓکی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکی اجازت ہے کہ مسلمان اپنے دشمن جو

مشرکین میں سے ہو ں انکے خلاف کوئی بھی تدبیر کرے جس سے انکے حوصلے پست ہوں،انکی تدبیریں کمزور ہوں اور جس سے ان کے خلاف فتح آسان ہو جائے ان کے پھلوں کے درخت کاٹے جائیں،ان کے پانی میں زہر ڈالا جائے،ان پر دباؤ ڈالا جائے محاصرے کے ذریعے، اور وہ لوگ جنہوں نے اسے حلال قرار دیا ا ن میں احناف،امام مالک،امام شافعیؒ،امام احمدؒ،امام اسحاقؒ،امام ثوریؒ اورامام ابن قاسمؒ ہیں اور احناف تو یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے درخت جلائے جاسکتے ہیں،ان کے ممالک تباہ کئے جاسکتے ہیں،ان کے مویشی ذبح کئے جاسکتے ہیں،اور ان کی زمین پر بچھو چھوڑے جاسکتے ہیں اگر ان کو نکالا نہ جاسکے‘‘۔

(عمدۃ القاری،ج۱۴،ص۲۷۰)

جمہور علماء کی رائے ہے کہ ضرورت کے وقت ان وسائل کے ذریعے کہ جن میں جنگجو اور معصوم کے درمیان کا فرق نہ رہے مثلا آگ سے جلانا،پانی میں غرق کرنا،عمارتیں منہدم کرنا،زہر پھیلانا اور دھواں پھیلانا وغیرہ ایسے وقت جائز ہیں کہ جب دشمنوں کو شکست دینے اور اُن پر کامیابی اس کے بغیر ممکن نہ ہو،مگر جب انکے بغیر کامیابی ممکن ہو تو پھر جائز نہیں، جبکہ شافعیہ اسے مطلق طور پر جائز قرار دیتے ہیں خواہ اُن پر اس طریقے سے غلبہ ہو یا اسکے بغیر واللہ اعلم

شیخ ناصر بن فہد فک اللہ اسرہ فرماتے ہیں:

’’چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں بھی یہی اصول لاگو ہوگا کہ اگر مجاہدین اس نتیجے پر پہنچیں کہ عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار استعمال کئے

بغیر’’کفار کے شر ‘‘سے نجات پانا ممکن نہیں توان ہتھیاروں کا استعمال جائز ہوگا،خواہ ایسا کرنے میں سب کے سب کفار مارے جائیں(یعنی وہ بھی جنہیں قصداً مارنا جائز ہے اورضمناً وہ بھی جنہیں مارنا اصلاًحرام ہے)‘‘۔

(’’حکم استخدام أسلحة الدمار الشامل ضد الكفار ‘‘باب دوم للشیخ ناصر بن فھد)

چوتھی صورت

جب کفار پر سنگ باری کرنا مقصود ہو

جن حالتوں میں (کافر)جنگجوؤں کے معصوم وغیر معصوم کی پہچان نہیں رہتی،جیسے توپیں،ٹینک ،طیاروں کے بم اور اسی قسم کے دوسرے اسلحے کے استعمال کے دوران۔اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں پر منجنیق نصب کی اور اُن پر اس سے سنگ باری کی۔

’’أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ ‘‘

’’رسو ل اللہ ﷺنے اہل طائف کے خلاف منجنیق استعمال کی‘‘۔

(سنن الترمذی،ج۹،ص۴۲۸،رقم الحدیث:۲۶۸۶)

امام النووی ؒنے المہذب میں کہا:

’’فصل ولا یجوز قتالھم بالنار والرمی عن المنجنیق الا لضرورۃ لأنہ لا یجوز أن یقتل الا من

يقاتل والقتل بالنار أو المنجنيق يعم من يقاتل ومن لا يقاتل وان دعت اليه الضرورة جاز كما يجــوز أن يقتل من لا يقاتل اذا قصد قتله للدفع ‘‘

’’فصل:اُن سے آگ کے ساتھ لڑناجائز نہیں اورنہ منجنیق کے ماسوائے ضرورت کے کیونکہ صرف لڑنیوالے کو ہی قتل کرناجائز ہے۔جبکہ آگ یا منجنیق کے ذریعے لڑنے اورنہ لڑنے والے سب کا قتل عام ہوتاہے۔ البتہ ضرورت کے وقت یہ جائز ہے۔ جیسا کہ غیر جنگجو کو دفاع کے لئے قتل کرناجائزہے‘‘۔

جبکہ امام احمد ہاس کے مطلقاً استعمال کے جواز کے قائل ہیں یعنی ضرورت یا بلاضرورت۔

(المهذب۲/۲۱۹)

المبدع کے مؤلف نے فرمایا:

’’ورميهم بالمنجنيق نص عليه......أحمــد.......((لأنه ﷺ نصب المنجنيق على أهل الطائف))رواه الترمذى مرسلا ونصبه عمــرو بن العــاص على الاسكندرية ولأن الرمى به معتاد كالسهام وظاهره مع الحاجــة وعدمها وفى المغنى هــو ظاهر كلام الامــام وقطع المياه عنهم وكــذا الســابلة وهــدم حصــونهم وفى المحرر والوجيز والفــروع هــدم عــامرهم وهــو أعم لأن القصداضعافهم وارهابهم ليجيبوا داعى اللّٰه ‘‘

’’اُنہیں منجنیقوں کے ذریعے نشانہ بنانا،اس پر امام احمدبن حنبلؒنے جواز کا فتوی دیا ہے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل طائف پر منجنیق نصب کی۔اسے الترمذی نے مرسل روایت کیا اور عمرو بن العاصؓنے اسے اسکندریہ پر

نصب کیا۔ چونکہ اس کے ساتھ سنگ باری عام تھی جیسا کہ تیروں کا استعمال عام تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ضرورت اور بغیر ضرورت کے وقت استعمال ہوتاتھا اور المغنی میں امام احمد بن حنبلؒ کا یہ کلام ظاہرکرتا ہے کہ اُن(کافروں)سے پانی روکنا، اسی طرح ان کا راستہ روکنا اور ان کے قلعوں کوڈھانا، اور المحرر الوجیزاور الفروع نامی کتابوں میں ہے کہ اُنکی بستیوں کو منہدم کرنا اور یہ زیادہ جامع (لفظ)ہے۔ کیونکہ مقصد ان کو کمزور کرنا اور انہیں دہشت زدہ کرنا ہے تاکہ وہ اللہ کے داعی پر لبیک کہیں‘‘۔

(المبدع،۳/۳۱۹)

امام ابن قدامہ نے المغنی میں کہا :

’’وَيَجُوزُ نَصْبُ الْمَنْجَنِيقِ عَلَيْهِمْ .وَظَاهِرُ كَلَامِ أَحْمَدَ جَوَازُهُ مَعَ الْحَاجَةِ وَعَدَمِهَا ؛ لِأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ.وَمِمَّنْ رَأَى ذَلِكَ الثَّوْرِيُّ،وَالْأَوْزَاعِيُّ،وَالشَّافِعِيُّ،وَأَصْحَابُ الرَّأْيِ.قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ:جَاءَ الْحَدِيثُ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الطَّائِفِ .وَعَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ،أَنَّهُ نَصَبَ الْمَنْجَنِيقَ عَلَى أَهْلِ الْإِسْكَنْدَرِيَّة.وَلِأَنَّ الْقِتَالَ بِهِ مُعْتَادٌ،فَأَشْبَهَ الرَّمْيَ بِالسِّهَامِ ‘‘

’’ان (دشمنوں)پر منجنیق نصب کرنا جائز ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کے کلام سے اس کی ضرورت اور غیرضرورت دونوں صورتوں میں جواز ظاہر ہوتا ہے۔کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں پر منجنیق نصب کی تھی اور یہی رائے الاوزاعی اور الشافعی اور اہل رائے

کی ہے۔ابن المنذر نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث آئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں پر منجنیق نصب کی۔ عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اسکندریہ والوں پر منجنیق نصب کی اور چونکہ اس کیساتھ لڑائی عام تھی ،سو اُسے تیروں سے مشابہ سمجھا گیا‘‘۔

(المغنی،ج ۲۱،ص۱۰۱)

امام ابنِ رشد المالکی ؒفرماتے ہیں:

’’واتفق عوام الفقهاء على جواز رمى الحصون بالمجانيق سواء كان فيها نساء وذرية أولم يكن لما جاء أن النبى عليه الصلاة والسلام نصب المنجنيق على أهل الطائف‘‘

’’اور فقہاء منجنیق کے استعمال کی اجازت پر متفق ہیں،تاکہ کفار کے قلعوں پر حملہ کیا جاسکے اگر چہ اس میں ان کی عورتیں اور بچے ہوں یا نہ ہوں ،اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے طائف کے لوگوں پر منجنیق سے حملہ کیا ‘‘۔

(هداةالمجتهد،ج۱،ص۳۰۱)

ابنِ قاسم ؒاپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

’’اس کی اجازت ہے کہ کفار پر منجنیق سے حملہ کیاجائے چاہے عورتیں ،بچے،بوڑھے اور راہب غیر ارادی طور پر مارے جائیں یہ اس لئے کہ ان کو دہشت میں ڈالنے کی اجازت پر اجماع ہے۔ابنِ رشدؒ کہتے ہیں کہ ہر طرح کے کفار پر دہشت ڈالنے کی اجازت اجماع سے ہے‘‘۔

(حاشیہ الروض،ج۴،ص۲۷۰)

سوفقہاء کرام درج بالا کلام سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ بعض فقہاء کرام نے منجنیق کے ذریعے کافروں کے عورتوں اور بچوں جیسے معصوموں کے قتل کی اس صورت میں اجازت دی ہے کہ جب اُن پر منجنیق کے ذریعے سنگ باری کی ضرورت ہو۔چنانچہ یہ ایسا آلہ تھا کہ جو سابقہ وقتوں میں بڑے بڑے پتھرپھینکنے کے لئے استعمال ہوتاتھا اور بعض اوقات یہ پتھر آگ کے شعلے پکڑے ہوئے ہوتے۔رہا یہ کہ گھروں کو جلانا اور منہدم کرنا اور ان میں موجود افراد کو قتل کرنا، تو فقہاء کی طرف سے اس اسلوب کی اجازت صرف اس مصلحت کی بنیاد پرتھی کہ اس سے یہ قلعہ فتح ہونے کی امید ہو، خواہ اس کے نتیجے میں عورتیں اور بچے ہی قتل ہوں ۔ لہذا جو مصلحت ایک قلعہ کی فتح کیلئے موجود تھی یعنی منجنیق کے ذریعے ان کی رہائش گاہوں پر سنگ باری کرنا،تو کیا یہی مصلحت مسلمانوں پر حملہ آور کفار کے ممالک کے اقتصادی،عسکری اورسیاسی طاقت کے مراکز کے تباہ کرنے میں نہ ہوگی؟تاکہ وہ مسلمانوں کے حصار اور ان کے قتل سے باز آجائیں، خواہ اس کا شکار عورتیں اور بچے ہی بنیں؟ کیوں نہیں!مسلمانوں کے دین و دنیا کی محافظت ہی یہ تو سب سے بڑی مصلحت ہے اور اگر اس جیسی مصلحت صرف اسی طریقے سے حاصل ہو سکتی تو پھراس کے جوازکیا شک و شبہ رہ جاتا ہے؟

شیخ ناصر بن فہد فک اللہ اسرہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

’’چنانچہ اہل علم اس بات پر متفق ہیں کہ دشمن کے خلاف منجنیق اور ایسے ہی دیگر ذرائع کا استعمال جائز ہے،اور یہ بات تو کسی سے پوشیدہ نہیں کہ منجنیق سے برسائے جانے والے

پتھر عورتوں ،بچوں اور بالغ مردوں کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور اپنے راستے میں آنے والی ہر چیز کو تباہ کرڈالتا ہے۔یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر مجاہدین کے اہل حل وعقد کے نزدیک کفار کے علاقوں کو تباہ کرنا اور کفار کو قتل کرنا ’’تقاضائے جہاد‘‘ہو تو ایساکرناجائز ہے کیونکہ (رسول اللہ ﷺ،صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے بعدکے ادوارمیں)مسلمان ،کفار کی آبادیوں پر منجنیق کے گولے برساتے رہتے تھے یہاں تک کہ وہ علاقہ فتح ہوجاتا ۔مسلمانوں کو کبھی کفار کی جڑ کٹنے اور ان کے علاقے تباہ ہونے کے خدشے نے ایسا کرنے سے نہ روکا۔واللہ اعلم بالصواب‘‘۔

(’’حکم استخدام أسلحۃ الدمار الشامل ضد الکفار ‘‘باب دوم للشیخ ناصر بن فھد)

امام جلال الدین سیوطی ؒمنجنیق کو ہر عام تباہی پھیلانے والے ہتھیار پر قیاس کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’وقیس بہ ما فی معناہ مما یعم الاھلاک بہ‘‘

’’اور منجنیق ہی پر قیاس کئے جائیں گے اسی جیسے دیگر ذرائع جوکہ ’’عام ہلاکت‘‘پھیلانے کا سبب بنتے ہیں‘‘۔

(أسنی المطالب،ج۴،ص۱۹۱)

امام ابن حجر الہیثمی ؒکا یہ جملہ بھی قابل غور رہے:

’’وقتلھم بما یعم‘‘

’’کفار کو ایسے طریقے سے قتل کرنا (جائز ہے)جو عام ہلاکت پھیلانے کا باعث بنے‘‘۔

(’’حکم استخدام أسلحۃ الدمار الشامل ضد الکفار ‘‘باب دوم للشیخ ناصر بن فھد)

پانچویں صورت

جب کفار اپنی عورتوں اور بچوں کوہی ڈھال بنالیں

اس حالت میں بھی معصوم لوگوں کا قتل جائز ہوتاہے کہ جب کفار انہیں اپنے لئے ڈھال کے طور پر استعمال کریں۔ یعنی اگر کفار اپنی عورتوں اور بچوں کو اپنے لئے ڈھال بنائیں تواُن پر سنگ باری (فائرنگ ،گولہ باری وغیرہ)کرنا جائز ہے۔ جنگجوؤں کو نشانہ بناتے ہوئے خواہ عورتیں اور بچے ہلاک ہوجائیں تو بھی جائز ہے۔مگر دو شرطوں کے ساتھ ایک یہ کہ اس کی ضرورت ہو ، اور دوسری یہ کہ مسلمانوں کا دلی ارادہ جنگجو ہو کو نشانہ بنانے کا ہو ،نہ کہ معصوم لوگ۔

امام ابن قدامہؒ نے المغنی میں فرمایا :

’’فَصْلٌ:وَإِنْ تَتَرَّسُوا فِی الْحَرْبِ بِنِسَائِهِمْ وَصِبْيَانِهِمْ،جَازَ رَمْيُهُمْ،وَيَقْصِدُ الْمُقَاتِلَةَ؛(لِأَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَمَاهُمْ بِالْمَنْجَنِيقِ وَمَعَهُمْ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ)،وَلِأَنَّ كَفَّ الْمُسْلِمِينَ عَنْهُمْ يُفْضِی اِلَى تَعْطِيلِ الْجِهَادِ ،لِأَنَّهُمْ مَتَى عَلِمُوا ذَلِکَ تَتَرَّسُوا بِهِمْ عِنْدَ خَوْفِهِمْ فَيَنْقَطِعُ الْجِهَادُ.وَسَوَاءٌ كَانَتْ الْحَرْبُ مُلْتَحِمَةً أَوْ غَيْرَ مُلْتَحِمَةٍ ؛لِأَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَتَحَيَّنُ بِالرَّمْيِ حَالَ الْتِحَامِ الْحَرْبِ .‘‘

’’فصل:اگروہ (دشمن)جنگ میں اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو ڈھال بنائیں تو جنگجوؤں کے ارادے سے اُن پر سنگ باری وغیرہ کرنا جائز ہے۔اسی لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن پرمنجنیق کے ذریعہ (سنگ باری) کی حالانکہ انکے ساتھ عورتیں اور بچے بھی تھے۔ اس لئے بھی کہ اس صورت میں مسلمانوں کا ان سے رک جانے سے جہادمعطل ہوجائے گا۔ اس لئے وہ جب بھی یہ جانیں گے تو خوف کے وقت ان(عورتوں،بچوں)کو ڈھال بنالیا کریں گے۔ تو یوں جہاد ختم ہوجائے گا خواہ جنگ بھڑکی ہوئی ہو یا نہیں۔کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (منجنیق سے) سنگ باری کرنے کے لئے جنگ بھڑکنے کا انتظار نہیں کرتے تھے‘‘۔

(المغنی،ج۲۱،ص۱۰۳،رقم:۷۵۷۷)

امام الانصاری الشافعیؒ نے فرمایا:

’’وحرم اتلاف لحیوان محترم لحرمتہ وللنهی عن ذبح الحیوان لغیر مأکلہ، الا لحاجة کخیل یقاتلون علیها فیجوز اتلافها لدفعهم أو للظفر بهم،کما یجوز قتل الذراری عندالتترس بهم بل أولی ‘‘

’’کسی حرمت والے جانور کو اسکی حرمت کی وجہ سے ہلاک کرنا حرام ہے۔ اور کسی جانور کو کھانے کی نیت کے بغیر نہی(منع ہونے)کی وجہ سے ذبح کرنا حرام ہے،ماسوائے ضرورت کے جیسے ایسے گھوڑے کہ جن پر وہ(دشمن)لڑتے ہیں۔ تو اُن پر کامیابی اور انہیں پیچھے دھکیلنے کے لئے ان (گھوڑوں)کا ہلاک کرنا جائز ہے۔ جیساکہ بچوں کو ڈھال بنائے جانے پر انہیں قتل کر جائز ہے۔ بلکہ زیادہ مناسب ہے‘‘۔

(فتح الوھاب،ج۲،ص۳۰۱)

امام الشربینی الشافعی ہنے اِن جانوروں کے قتل کے جواز کا سبب ذکر کرنے کے بعد اس کا ذکر کرتے ہوئے کہا :

’’مَا یُقَاتِلُونَا عَلَیْ أَوْ خِفْنَا أَنْ یَرْکَبُوُ لِلْغَدْرِ کَالْخَیْلِ فَیَجُوزُ اتْلَافُہ (لِدَفْعِھِمْ أَوْ ظَفَرٍ بِھِمْ)؛لِأَ نَّھَا کَا لْآ لَۃِ لِلْقِتَالِ،وَاِذَا جَازَ قَتْلُ النِّسَاءِ وَالصِّبْیَانِ عِنْدَ التَّتَرُّسِ بِھِمْ فَالْخَیْلُ أَوْلَی،وَقَدْ وَرَدَ ذَلِکَ فِی السِّیَرِ مِنْ فِعْلِ الصَّحَابَۃِ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالَی عَنْہُمْ‘‘

’’جن پر وہ سوار ہوکر ہم سے لڑتے ہیں یا ہمیں ڈر ہوکہ کل وہ ان پر سوار ہوں گے جیسے گھوڑے ہیں تواُن کے خلاف کامیابی حاصل کرنے اور ان سے دفاع کیلئے انہیں (گھوڑوں)کوہلاک کرنا جائز ہے کیونکہ یہ لڑائی کی مانند ہیں اور جب عورتوں اور بچوں کو ڈھال بنائے جانے پر قتل کرنا جائز ہے تو گھوڑوں کا ہلاک کرنا تو زیادہ مناسب ہے اور یہ کام صحابہ رضی اللہ عنہم کے فعل میں سے ہے‘‘۔

(مغنی المحتاج،ج۱۷ص۳۲۰)

امام ابن تیمیہؒمسلمانوں کے ڈھال بنائے جانے کی صورت میں فرماتے ہیں :

’’وَقَدْ اتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلَی أَنَّ جَیْشَ الْکُفَّارِ اذَا تَتَرَّسُوا بِمَنْ عِنْدَھُمْ مِنْ أَسْرَی الْمُسْلِمِینَ وَخِیفَ عَلَی الْمُسْلِمِینَ الضَّرَرَ اذَا لَمْ یُقَاتِلُوا فَاِنَّھُمْ یُقَاتَلُونَ؛وَاِنْ أَفْضَی ذَلِکَ الَی قَتْلِ الْمُسْلِمِینَ الَّذِینَ تَتَرَّسُوا بِھِمْ ‘‘

’’اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفار کے لشکر اگر اپنے پاس مسلمان قیدیوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کریں اور اس صورت میں اگر ان کفار سے لڑا جائے گاخواہ اس کے نتیجے میں وہ مسلمان قتل ہوجائیں کہ جنہیں کفار نے ڈھال بنایاتھا‘‘۔

(مجموع الفتاویٰ،ج۶،ص۴۲۷،مسئلہ اجناد یمتعون عن قتال)

ابن قاسم نے حاشیہ الروض میں بتایا کہ الانصاف کے مؤلف نے فرمایا :

’’وان تترسوا بمسلم لم یجز رمیهم الا أن نخاف علی المسلمین فیرمیهم ویقصدالکفار ، وهذا بلا نزاع‘‘۔

’’اگر وہ دشمن کسی مسلمان کو ڈھال بنائیں تو اس صورت میں اُن (دشمنوں)پرسنگ باری وغیرہ جائز نہیں،البتہ اگر ہمیں دیگر مسلمانوں کو (نقصان کا)ڈر ہوتو پھر کفار کا قصد کرکے اُن پر سنگ باری وغیرہ کی جائے گی اور اس میں کوئی اختلاف نہیں‘‘۔

(حاشیہ الروض ۴/۲۷۱)

ایک اہم تنبیہ :

یہاں پر ایک اہم مسئلہ کی تنبیہ کرنا ضروری ہے اور وہ یہ کہ یہاں شرعی حکم میں ڈھال بنائے جانیوالے مسلمانوں یا کفار کے معصوم لوگوں جیسے عورتوں اور بچوں میں فرق ہے۔ لٰذااگر ڈھال مسلمانوں کی بنائی گئی ہے تو اس صورت میں دشمن پر گولہ باری،فائرنگ وغیرہ صرف ایسی ضرورت کے وقت کی جائے گی کہ

جب ان کفار پر فائرنگ نہ کرنے کا نقصان،ڈھال بنائے گئے
مسلمانوں کے قتل کے نقصان سے زیادہ بڑانہ ہو
جیسے دشمن کی جانب سے مسلمانوں کی زمین کی
طرف پیش قدمی اور پھر ڈھال بنائے گئے مسلمانوں سے
زیادہ دوسرے مسلمانوں کے قتل کا خدشہ ہو،یا
مسلمانوں کے لشکرمیں سے کئی کے قتل ہونے اور ان
کی طاقت ٹوٹنے اور یوں مسلمانوں کے معاملے کے ختم
ہوجانے کا خدشہ ہو جبکہ اصلاً صورتحال کے پیش نظر
ضرورت کا اندازہ لگایا جائے گا۔

رہا مسئلہ اس حالت کا جس میں کفار کے بچوں
اور عورتوں کو ڈھال بنایا گیا ہو تو معاملہ درج بالاحالت
سے ہلکا ہے،کیونکہ کفار کے بچوں اور عورتوں کی
عصمت،مسلمان کے خون کی عصمت سے کم تر ہے۔
لہٰذاپہلی صورت (یعنی مسلمانوں کا نشانہ بن
جانا)شدید ترین ضرورت کے وقت مباح ہوگی جبکہ
دوسری صورت(کفارکی عورتوں اور بچوں کا نشانہ بن
جانا) ادنیٰ ضرورت کے تحت بھی مباح ہوجائے گی۔
کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الصعب بن جثامہ
کی حدیث میں مشرکوں کی ذریت کے قتل کی اجازت
دی تو فرمایا کہ

((هم منهم))[1]

’’وہ انہی میں سے ہیں‘‘۔

مگر آپ ﷺ نے اس حالت کی تفصیل نہیں پوچھی کہ
جس نے انہیں اس پر مجبور کیا اور نہ اس کیلئے کوئی
ضابطہ بنایا۔ اس علم کے ساتھ کہ نبی ﷺکے زمانے میں
رات کے وقت کے حملوں اور اچانک حملوں کی ہمیشہ
ضرورت نہیں ہوتی تھی جیساکہ صحیحین میں انس ؓ
سے روایت ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ:

((كَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ اِذَا غَزَا قَوْمًا لَمْ يُغِرْ حَتَّى يُصْبِحَ فَاِنْ سَمِعَ أَذَانًا أَمْسَکَ وَاِنْ لَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا أَغَارَ بَعْدَ مَا يُصْبِحُ))

’’رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی قوم پر حملہ کرتے تو صرف صبح ہونے پر ہی حملہ کرتے تو اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اذان سنتے توحملہ نہ کرتے اور اگر اذان نہ سنتے تو صرف صبح طلوع ہونے کے بعد حملہ کرتے‘‘۔

(صحیح البخاری،ج١٠،ص٩۵،رقم الحدیث:٢٧٢۵)

بخاری کی ایک روایت میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ:

((كَانَ اِذَا غَزَا بِنَا))

’’جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ غزوہ کرتے‘‘۔

تویہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ رات کے وقت حملہ اور اچانک حملہ کی ضرورت نہ ہوتی تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے بعد ہی حملہ کرتے اور انس رضی اللہ عنہ کا قول کہ’’ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ غزوہ کرتے‘‘۔اس بات پر دلالت کرتاہے کہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر اوقات کا فعل تھا۔لٰہذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تفصیل نہ پوچھنا قول کو’’عمومیت‘‘ دیتاہے۔

لٰہذاکفارکے معصومین کی ڈھال کو بہر عام ضرورت کی قید کے علاوہ اور کوئی قید نہیں لگائی جاسکتی جبکہ مسلمانوں کی بنائی گئی ڈھال کو شدید ترین ضرورت ہی کے تحت قتل کیا جا سکتاہے۔ کفار کی

بنائی گئی ڈھال کے قتل کے لئے انتہائی ضرورت کا ہونا لازمی نہیں بلکہ اُس کیلئے عام ضرورت کا ہونا کافی ہے ۔

چھٹی صورت

کفار کی طرف سے عہد شکنی کی صورت میں

کفارکے معصوم الدّم عورتوں ،بچوں اور بوڑھوں کا جن حالتوں میں قتل جائز ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ معاہدہ کرنے والادشمن اپنے عہد کو توڑ ڈالے۔ مسلمانوں کا امیراگر چاہے تو سب کوقتل کردے اور اگرچاہے تو جسے چاہے اُسے چھوڑدے۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے ساتھ کیا توآپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مردوں اوربوڑھوں اور ہرمزدور کو قتل کیا جبکہ غلامی میں سوائے عورتوں اور بچوں کے کسی کو نہیں رکھا۔ ان کے علاوہ دوسرے معصوم لوگوں جیسے بوڑھوں اور مزدوروں کو قتل کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے یہودیوں کے ہر بالغ کو قتل کیا اور عہدشکنی کرنے اورنہ کرنے والے کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا۔

امام ابن حزم حنفی ؒنے حدیث:

((عرضت یوم قریظة علی رسول اللّٰہ ﷺفکان من أنبت قتل))

’’جس روز قریظہ کورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا گیا توجو بالغ تھا اسے قتل کریاگیا‘‘۔

کی تعلیق کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

’’ فھذا عموم من النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ لم یستبق منھم عسیفا،ولا تاجرا، ولافلاحا،ولا شیخا کبیرا، وھذا اجماع صحیح ‘‘۔

’’یہ نبی ﷺ کا’’ عمومی فعل‘‘ تھا ،آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن میں سے نہ کسی مزدور کوچھوڑا،نہ تاجر کو،نہ کسان کو اورنہ کسی بوڑھے شیخ کو۔ اس کام کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہونے پر اجماع ہے‘‘۔

(المحلی لابن حزم،ج۷،ص۲۹۹)

امام ابن القیم ؒنے زاد المعاد میں فرمایا :

’’وَكَانَ هَدْيُهُ صَلّی اللہُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ أَنّهُ اذَا صَالَحَ قَوْمًا فَنَقَضَ بَعْضُهُمْ عَهْدَهُ وَصُلْحَهُ وَأَقَرّهُمْ الْبَاقُونَ وَرَضُوا بِهِ غَزَا الْجَمِيعَ وَجَعَلَهُمْ كُلّهُمْ نَاقِضِينَ كَمَا فَعَلَ بِقُرَيْظَةَ،وَالنّضِيرِ وَبَنِی قَيْنُقَاعَ وَكَمَا فَعَلَ فِی أَهْلِ مَكّةَ،فَهَذِهِ سُنّتُهُ فِی أَهْلِ الْعَهْدِ وَعَلَى هَذَا يَنْبَغِی ‘‘

’’نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم سے معاہدہ یا صلح کرتے،پھر اُن کے سب لوگ معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے یا اُن میں سے کچھ لوگ اسے توڑتے جبکہ باقی اُسے تسلیم کرتے اوراُن(خلاف ورزی کرنے والوں)سے راضی ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب پر حملہ کرتے اور اُن سب کو معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے والے قرار دیتے جیساکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ اور بنی نضیر اوربنی قینقاع کے ساتھ کیا، اور جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کے ساتھ کیا،تو یہ آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کی عہد توڑنے اور اُسکی خلاف ورزی کرنے والوں کے بارے میں سنت تھی‘‘۔

(زاد المعاد،ج۳،ص۱۲۳)

امام ابن قیم ؒفرماتے ہیں:

’’وَ أَنَّ هَدْيَہٗ وَ سُنَّتَہٗ اِذَا صَالَحَ قَوْمًا وَ عَاهَدَهُمْ فَانضَافَ اِلَيْهِم عَدُوٌّ سِوَاهُمْ ، فَدَخَلُوْا مَعَهُمْ فِىْ عَقْدِهِمْ ،وَ انْضَافَ اِلَيْ قَوْمٌ آخَرُوْنَ فَدَخَلُوْا اِلَيْ فِىْ عَقْدِہٖ صَارَ حُكْمُ مَنْ حَارَبَ مَنْ دَخَلَ مَعُہٗ فِىْ عَقْدِہٖ مِنَ الْكُفَّارِ حُكْمُ مِنْ حَارَبُہٗ‘‘

’’نبی اکرم ﷺکی سیرت طیبہ اور حیات مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺکسی قوم سے معاہدہ وصلح کرتے پھر جن کے ساتھ آپ کا معاہدہ طے پاتا ان کے ساتھ کوئی اور دشمن قبیلہ جاملتا اور ان کے معاہدے میں شامل ہوجاتا تو وہ اس کیے ہوئے معاہدے میں شامل سمجھا جاتا ۔اسی طرح اگر کوئی قبیلہ نبی ﷺسے حالتِ کفر پر ہوتے ہوئے بھی آملتا ۔تو وہ آپ کے ساتھ معاہدے میں شامل سمجھاجاتا ۔ آپ کے ساتھ معاہدے میں شامل ہونے والے کسی کافر کے ساتھ کوئی قبیلہ بدعہدی کرتے ہوئے جنگ کرتا تو نبیﷺان بدعہدی کرنے والوں کوبھی اپنا مدمقابل دشمن سمجھتے اور ان کے ساتھ جنگ کرتے‘‘۔

(زادالمعاد،ج۲،ص۱۲۴)

امام ابن قیم ؒایک واقعہ سے اس بات کی وضاحت یوںفرماتے ہیں:

’’وَ قَدْ أَفْتَيْنَا وَلِيَّ الْأَمْرِ لَمَّا أَحْرَقَتِ النَّصَارٰى أَمْوَالَ الْمُسْلِمِيْنَ بِالشَّامِ وَ دُوْرَهُمْ وَ رَامُوْا اِحْرَاقَ جَامِعِهِمْ الْأَعْظَمَ حَتّٰى أَحْرَقُوا مَنَارَتَہٗ وَكَادُلَولَا دَفْعُ اللّٰہِ أَنْ يُّحْتَرَقَ كُلُّہٗ وَعَلِمَ بِذَلِكَ مَنْ عَلِمَ مِنَ النَّصَارٰى وَوَطَئُوا عَلَيْہِ وَ أَقَرُّوْہُ وَ رَضُوْا بِہٖ وَ لَمْ يُعْلِمُوْا وَلِيَّ الْأَمْرِ ، فَاسْتَفْتٰى فِيْهِمْ مَنْ وَلِيَ الأَمْرَ مَنْ حَضَرَہٗ مِنَ الْفُقُهَاءَ،فَأَفْتَيْنَاہُ بِانْتِقَاضِ عَهْدِ مَنْ فَعَلَ ذَالِكَ وَ أَعَانَ عَلَيْہِ بِوَجْہٍ مِّنَ الْوُجُوْہِ أَوْ رَضِىَ بِہٖ وَ أَقَرَّ عَلَيْہِ ،وَ أَنَّ حَدَّ الْقَتْلِ حَتْمًا لَاتَخْيِيْرَ لِلْاِمَامِ فِيْہِ كَالأَسِيْرِ، بَلْ صَارَ الْقَتْلُ لَہٗ حَدًّا ‘‘

’’وقت کے حکمرانوں کو ہم نے تویہی فتوی دیاتھا ۔جب عیسائیوں نے شام کے اندر مسلمانوں کی جائیداد ،املاک،دیہاتوں ،شہروں اور گھروں کو نذر آتش کردیا۔انہوں نے شام کی سب سے بڑی جامع مسجد کو بھی خاکستر کرنے کی مکمل تیاری کرلی تھی ۔یہاں تک کہ اس جامع مسجد کاایک مینار انہوں نے جلا بھی دیا تھا۔اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص فضل نہ ہوتا تو وہ ساری مسجد کو جلاکرراکھ کے ڈھیر میں تبدیل کردیتے ۔ملک شام کے اندر ہونے والی اس کاروائی کا جب وہاں موجود دیگر عیسائیوں کو پتہ چلا ۔انہوں نے اس کی موافقت اور تائید ہی ظاہر کی ۔اس پر خوشی کا اظہار کیا۔لیکن اس بات کی انہوں نے وقت کے حکمرانوں کو کانوں کان خبرنہ ہونے دی ۔(معاملہ کھل جانے پر)اس وقت کے حکمران نے اس وقت کے فقہاء سے فتوی طلب کیا۔ہم اس کو یہ فتوی دیا کہ جس جس عیسائی نے اپنے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے معاہدہ توڑا ہے۔حملہ آوروں کا کسی طرح تعاون کیا ہے ،اس پر خوشی کا اظہار کیا ہے یا اپنے لبوپر مہرخاموشی لگاتے ہوئے ان کی

تائید کی ہے۔ان سب معاہدہ توڑنے والوں کی سزا سوائے قتل کے اور کوئی نہیں ہے‘‘۔

(زادالمعاد ،ج۳ص۱۲۳)

اما م ابن القیمؒ نے یہ بھی فرمایا کہ :

’’وَبِهَذَا أَفْتَى شَيْخُ الْإِسْلَامِ ابْنُ تَيْمِيّةَ بِغَزْوِ نَصَارَى الْمَشْرِقِ لَمّا أَعَانُوا عَدُوَّ الْمُسْلِمِينَ عَلَى قِتَالِهِمْ فَأَمَدّوهُمْ بِالْمَالِ وَالسّلَاحِ وَإِنْ كَانُوا لَمْ يَغْزُونَا وَلَمْ يُحَارِبُونَا،وَرَآهُمْ بِذَلِكَ نَاقِضِينَ لِلْعَهْدِ كَمَا نَقَضَتْ قُرَيْشٌ عَهْدَ النّبِيّ صَلّى اللہُ عَلَيْہِ وَسَلّمَ بِإِعَانَتِهِمْ بَنِي بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ عَلَى حَرْبِ حُلَفَائِهِ ‘‘

’’ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے مشرق کے اُن نصاری پرحملے کا فتوی دیاتھاکہ جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف لڑائی میں اُن کے دشمن کی مال واسلحہ سے مدد کی تھی، اگرچہ انہوں (مشرق کے نصاریٰ)نے نہ تو ہم پر حملہ کیا تھا اور نہ ہمارے خلاف جنگ کی ہےلیکن آپ(ابن تیمیہ)نے اُنہیں معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے والے شمارکیاہے جیساکہ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں، بنی بکر بن وائل کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیفوں کے خلاف جنگ میں مدد کرکے معاہدہ توڑاتھا‘‘۔

(زاد المعاد،ج۳،ص۱۲۴)

امام االمبارک پوری ؒبنو قریظہ کے حوالے سے حضرت سعد بن معاذ ؓکے فیصلے پرایک باب یوں باندھتے ہیں ’’بَابُ مَا جَاءَ فِي النُّزُولِ عَلَى الْحُكْمِ ‘‘أَيْ نُزُولُ الْعَدُوِّ عَلَى حُكْمِ رَجُلٍ مِنْ الْمُسْلِمِينَ‘‘.........پھراس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’وَفِی الْحَدِیثِ دَلِیلٌ عَلَی أَنَّہُ یَجُوزُ نُزُولُ الْعَدُوِّ عَلَی حُکْمِ رَجُلٍ مِنْ الْمُسْلِمِینَ وَیَلْزَمُھُمْ مَاحَکَمَ بِہِ عَلَیْھِمْ مِنْ قَتْلٍ أَوْ أَسْرٍ وَاسْتِرْقَاقٍ ‘‘

’’اور اس واقعہ سے ثبوت ملتا ہے کہ اس کی اجازت ہے کہ دشمن مسلمانوں میں سے کوئی آدمی چنے جو کہ ان کے بارے میں حتمی فیصلہ سنائے، چاہے وہ فیصلہ موت ہو یا غلامی‘‘ ۔

(تحفة الاحوذی،ج۴،ص۲۳۴،رقم:۱۴۹۴)

امام ابن عطیہ فرماتے ہیں:

’’علمائے تفسیر اس بات پر متفق ہیں کہ یہ آیت بنی قریظہ کے متعلق نازل ہوئی اور اس کا اطلاق تا قیامت اس (بنی قریظہ والی)صفت کے حامل پر ہوتا رہے گا‘‘۔

(اقتباس ازقریظہ تا امریکہ از لشیخ ابو یحیٰی اللیبّی)

امام ابن ِ حجرؒنے فرمایا:

’’وَذَلِکَ أَنَّہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَمَل بِمَا دَلَّتْ عَلَیْہِ کُلُّھَا فِی جَمِیع أَحْکَامِہ :فَقَتَلَ بَعْضِ الْکُفَّار یَوْم بَدْر،وَفَدَی بَعْضًا،وَمَنَّ عَلَی بَعْضِہِوَکَذَا قَتَلَ بَنِی قُرَیْظَة، وَمَنَّ عَلَی بَنِی الْمُصْطَلِق،وَقَتَلَ اِبْن خَطَل وَغَیْرہ بِمَکَّة وَمَنَّ عَلَی سَائِرھمْ وَسَبَی ھَوَازِن وَمَنَّ عَلَیْھِمْ.وَمَنَّ عَلَی ثُمَامَة بْن أُثَال ۔فَدَلَّ کُلّ ذَلِکَ عَلَی تَرْجِیح قَوْل الْجُمْھُور انَّ ذَلِکَ رَاجِع اِلَی رَأْی الْاِمَام ‘‘

’’اور رسول ﷺنے بدر کے دن کچھ کفار کو قتل کیا ، کچھ سے فدیہ لیا ،کچھ کو چھوڑدیا ۔اسی طرح آپﷺنے بنو قریظہ کے ہرمردکو قتل کیا اور بنی

مصطلق کو چھوڑدیا ہےاسی طرح آپ نے ابنِ خطل اور دوسروں کو مکہ میں قتل کیااور باقیوں کو چھوڑدیا ،اور ہوازن کو غلام بنایا اور ثمامہ کو چھوڑدیا ہےتو ان سب واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ جمہور علماء کا قول صحیح ہے جب انہوں نے کہا کہ فیصلہ امام کے اوپر ہوتا ہے‘‘ ۔

(فتح الباری،ج۹،ص۲۳۲)

یہ وہ حالتیں ہیں کہ جن میں فقہاءنے کفار کے معصوم لوگوں جیسے عورتوں،بچوں،بوڑھوں اور انکے حکم میں آنے والے دوسرے افراد کہ جنہیں آج عرف عام میں شہری کہاجاتاہے،کے قتل کی اجازت دی ہے۔

ساتویں صورت

جب’’معاملہ بالمثل‘‘(بدلے کی سزا دینا)مقصود ہو

وہ حالتیں(جن کا اوپر ذکر گزر چکا) کہ جن میں کفار کے بے گناہ لوگوں کو جان بوجھ کر قتل کرنا جائز ہوتا ہے،اگر ان میں سے کوئی وجہ بھی نہ پائی جاتی ہوپھربھی مسلمانوں کے لئے جائز ہے کہ کفارکے ساتھ بھی وہی سلوک کریں جیساانہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا۔ لٰذا اگر کفار مسلمانوں کی عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرتے ہیں اور مسلمانوں کی املاک کو نقصان پہنچاتے ہیں تو اس حالت میں جائز ہے کہ کفارکے ساتھ بھی یہی کام کیا جائے۔مفسرین کے نزدیک متفقہ طور پر قرآن کریم میں تین مقامات اس بات کی دلیل ہیں:

﴿فَمَنِ اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ﴾

’’جو تم پر زیادتی کرے سو تم بھی اس پر اسی قدر زیادتی کرو جس قدر اس نے تم پر زیادتی کی ہو‘‘۔

(البقرۃ:۱۴۹)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ:

﴿وَالَّذِينَ اذَا أَصَابَهُمُ الْبَغْىُ هُمْ يَنْتَصِرُونَ○وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰہِ انَّہ لا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ○وَلَمَن انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَئِکَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ○اِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِى الأرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ○وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذَلِکَ لَمِنْ عَزْمِ الأمُورِ○﴾

’’اور جب ان پر زیادتی ہوتی ہے تو وہ بدلہ لے لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پھر جو کوئی معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے وہ ظالموں کو کبھی پسند نہیں کرتا۔ اور جو شخص ظلم ہونے کے بعد بدلہ لے لے تو اس پر کوئی الزام نہیں۔ الزام تو ان لوگوں پر ہے جو لوگوں پر ظلم کرتے اور زمین میں ناحق زیادتی کرتے ہیں ایسے ہی لوگوں کے لیے المناک عذاب ہے۔ اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے تو یہ بڑی ہمت کاکام ہے‘‘۔

(الشوری)

اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِہٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ○وَاصْبِرْوَمَا صَبْرُکَ الا

بِاللّٰ وَلا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَلا تَکُ فِی ضَیْقٍ مِمَّا یَمْکُرُونَ ○اِنَّ اللّٰ□ مَعَ الَّذِینَ اتَّقَوْا وَالَّذِینَ ھُمْ مُحْسِنُونَ○□

’’اور اگر تم□یں بدل□ لینا □و تو اتنا □ی بدل□ لو جتنی تم پر زیادتی □وئی اور اگر برداشت کرجاؤ تو صبر کرن□ والوں ک□ لی□ ی□ی بات ب□تر □□□ آپ صبر کیجئ□ اور آپ کا صبر الل□ (□ی کی توفیق)س□ □□ اور ان لوگوں ک□ متعلق غمناک ن□ □وں اور ن□ □ی ان کی چال بازیوں پر تنگی محسوس کریں□ بلاشب□ الل□ ان لوگوں ک□ ساتھ □□ جو اس س□ ڈرت□ □یں جو اچھ□ کام کرت□ □یں‘‘□

(النحل)

ی□ آیتیں □ر چیز ک□ لی□ عام □یں اور ان ک□ نزول ک□ اسباب ان□یں(کسی خاص ک□ لی□)مخصوص ن□یں کرت□□ شرعی قاعد□ ک□تا □□ ک□:

’’العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب ‘‘

’’(کسی بھی آیت یا حدیث ک□)سبب نزول س□ ن□یں بلک□ عمومی الفاظ س□ عبرت لی جاتی □□‘‘

چنانچ□ آیت

□وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِ□

’’ اور اگر تم□یں بدل□ لینا □و تو اتنا □ی بدل□ لو جتنی تم پر زیادتی □وئی‘‘□

(النحل: ۱۲۶)

یہ آیت مثلہ کرنے(یعنی لاش کاناک، کان،اعضا وغیرہ کاٹنا)کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔الترمذی نے اپنی سنن میں صحیح سند کے ساتھ اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

((لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ أُصِيبَ مِنْ الْأَنْصَارِ أَرْبَعَةٌ وَسِتُّونَ رَجُلًا وَمِنْ الْمُهَاجِرِينَ سِتَّةٌ فِيهِمْ حَمْزَةُ فَمَثَّلُوا بِهِمْ فَقَالَتْ الْأَنْصَارُ لَئِنْ أَصَبْنَا مِنْهُمْ يَوْمًا مِثْلَ هَذَا لَنُرْبِيَنَّ عَلَيْهِمْ قَالَ فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ فَتْحِ مَكَّةَ فَأَنْزَلَ اللَّهُ تَعَالَى وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ۔فَقَالَ رَجُلٌ لَا قُرَيْشَ بَعْدَ الْيَوْمِ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُفُّوا عَنْ الْقَوْمِ اِلَّا أَرْبَعَةً))

’’ اُحد کے دن انصار کے چونسٹھ آدمی کام آئے اور مہاجرین کے چھ، جن میں حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے ، تو کفارنے مسلمان شہداء کا مثلہ کیا۔ تو انصار نے کہا کہ اگر کسی دن ہم نے اُن (کفار)کے لوگوں کو اسی طرح نشانہ بنایا تو ہم اُن کا اس سے زیادہ مثلہ کریں گے ۔ تو جب فتح مکہ کا دن تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:’’اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی اور اگر برداشت کرجاؤ تو صبر کرنے والوں کے لیے یہی بات بہتر ہے‘‘۔(النحل:۱۲۶)تو ایک آدمی نے کہا کہ آج کے بعد قریش کا نام ونشان نہ رہے گا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:’’ماسوائے چار افراد کے قوم(کے قتل)سے بازرہو‘‘۔

(سنن ترمذی،ج۱۰،ص۴۰۲،رقم الحدیث:۳۰۵۴)

ابن ہشام نے سیرت میں روایت نقل کی ہے کہ

’’جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حال دیکھا یعنی اپنے چچا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کے مُثلہ کاہ توفرمایا:’’اگر صفیہ کے غم اور میرے بعد یہ کام سنت بن جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں اُسے (اپنے چچاحمزہ رضی اللہ عنہ)کو اسی طرح چھوڑدیتا تاکہ وہ وحشی جانوروں کے پیٹوں اور پرندوں کے پوٹوں میں ہوتے اور اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے کبھی کسی موقع پر قریش پر غلبہ عطاکیا تو میں اُن کے تیس آدمیوں کا مُثلہ ضرور کروں گا‘‘۔تو جب مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غم اور آپ کے اپنے چچا کے ساتھ یہ کام کرنے والے پر غصہ کو دیکھا تو انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی کسی دن اُن (کفار قریش)پر غلبہ عطاکیا تو ہم ان(کی لاشوں)کا ایسا مثلہ کریں گے کہ جیساکسی عربی نے نہ کیا ہوگا‘‘۔

ابن اسحاق نے کہا کہ مجھے ایسے شخص نے ابن عباس ؓسے روایت کیا کہ جسے میں جھوٹا نہیں کہتا:

’’بلاشبہ اللہ عزوجل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اس قول پر یہ آیت نازل کی۔﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَo وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلا بِاللّٰہِ وَلا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلا تَکُ فِی ضَيْقٍ مِمَّا يَمْکُرُونَo﴾(النحل:۱۲۶،۱۲۷)’’اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی اور اگر برداشت کرجاؤ تو صبر کرنے والوں کے لیے یہی بات بہتر ہے۔ آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر اللہ (ہی کی توفیق)سے ہے۔ اور ان لوگوں کے متعلق غمناک نہ ہوں اور نہ ان کی چال بازیوں پر تنگی محسوس کریں‘‘۔سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(کفار کو)معاف کردیا اور مثلہ کرنے سے منع کردیا‘‘۔

امام ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ:

((لما کان یوم أحد وانصرف المشرکون،فرأی المسلمون باخوانهم مثلة سیئة جعلوا یقطعون آذانهم وآنافهم ویشقون بطونهم ، فقال أصحاب رسول اللّٰہ ﷺ:لئن أنالنا اللّٰہ منهم لنفعلن فأنزل اللّٰہ ﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ﴾فقال رسول اللّٰہ ﷺ،بل نصبر))

’’ جب اُحد کا دن تھا اور مشرک واپس چلے گئے اور مسلمانوں نے دیکھا کہ (کفار)نے ان کے (شہید ہونے والے)بھائیوں کی (لاشوں کی)بڑی بے حرمتی اس طرح کی کہ اُن کے کان ، ناک کاٹے اور پیٹ چاک کیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے کہا کہ اگر اللہ نے ہمیں اُن(کفار)پر غلبہ عطاکیا تو ہم بھی ضرورایسا کریں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی:’’اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی اور اگر برداشت کرجاؤ تو صبر کرنے والوں کے لیے یہی بات بہتر ہے‘‘۔تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :’’بلکہ ہم صبرکریں گے‘‘۔

(مصنف ابن ابی شیبہ،ج۸،ص۴۴۵)

لہٰذا مُثلہ سے منع کیا گیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی وجہ سے حرام ہے ۔ جیساکہ بخاری میں عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

((عَنْ النَّبِيِّ صَـلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَـلَّمَ أَنَّهُ نَهَى عَنْ النُّهْبَـةِ وَالْمُثْلَةِ))

’’ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوٹ کھسوٹ اور مُثلہ سے منع کیا‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۱۷،ص۱۹۲،رقم الحدیث:۵۰۹۲)

امام ابن حجرؒنے کہا کہ:

’’المثلة: تشويه خلقة القتيل،كجـدع أطـرافه،وجب مذاكره ونحو ذلک‘‘۔

’’ المثلہ، مقتـول کی شـکل وصـورت کـو بگاڑنـا ہے ، جیســـے اس کے اعضاء کاکاٹنــا اور اس کے عضوتناسل کا کاٹنا وغیرہ‘‘۔

(الفتح۱۲۰/ ۵)

اور صـحیح مسـلم میں بریـدہ رضـی اللہ عنہ سـے حدیث ہے کہ نبی صـلی اللہ علیہ وسـلم اپـنے لشـکروں اور دستوں کے کمانڈروں کو یہ کہہ کر نصرت کرتے کہ:

((اغْزُوا بِاسْمِ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَـرَ بِـاللَّهِ اغْــزُوا وَلَا تَغُلُّوا وَلَا تَغْــدِرُوا وَلَا تَمْثُلُــوا وَلَا تَقْتُلُــوا وَلِيدًا))۔

’’اللہ کی راہ میں اللہ کے نــام کے ســاتھ حملہ کرو، ان لوگوں سے لڑو کہ جو اللہ کا انکار کـرتے ہیں حملہ کـرو اور غلــو نہ کـرو، اور نہ غـداری کرو، اور نہ مثلہ کرو اور نہ بچے کو قتل کرو‘‘۔

(صحیح مسلم،ج۹،ص۱۵۰،رقم الحدیث:۲۱)

لیکن مفسرین کے نزدیک اگر دشمن مسلمانوں کے مقتولوں کا مثلہ کریں تو مسلمانوں کے لیے جائز ہوجاتا ہے کہ وہ دشمن کے مقتولوں کا مثلہ کریں اور اس صورت میں اس کی حرمت ختم ہوجاتی ہے۔جبکہ مُثلہ نہ کرنا اور صبر کرنا مسلمانوں کے لیے بہتر ہے۔ رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ پر مُثلہ نہ کرنا اور صبر کرنا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے کا حکم دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا:

﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلا بِاللَّہِ﴾

’’آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر اللہ (ہی کی توفیق)سے ہے‘‘۔

(النحل:۱۲۶)

جبکہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے صبر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایاکہ:

﴿وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ ﴾

’’اور اگر برداشت کرجاؤ‘‘۔

قصاص بالمثل ہی ہوتا ہے:

معاملہ بالمثل کے حوالے سے آیات صرف قصاص کے بارے میں ہی’’ مثل بالمثل‘‘کے قاعدے کو منحصر نہیں کرتیں بلکہ یہ مسلمان یا ذمّی یا بامعاہدہ شخص یا جنگجو سب کے لیے عام ہیں، مگر کچھ ضابطوں اور اصولوں کے ساتھ کہ جو دوسری دلیلوں سے لیے گئے ہیں ۔

امام القرطبی ؒنے فرمایا :

’’قــولہ تعــالی فَمَنِ اعْتَــدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَــدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وقــولہ تعــالی وَإِنْ عَـاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ قالوا وهـذا عمـوم فی جميع الأشياء كلها وعضدوا هذا بأن النــبی ((حبس القصـعة المكسـورة فی بيت الـتی كسـرتها ودفـع الصحيحة وقال اناء باناء وطعـام بطعـام))(أخـرجہ أبو داود) ثم قال لا خلاف بين العلماء أن هذہ الآيـة أصـل فی المماثلة فی القصـاص فمن قتـل بشـیئ قتل بمثل ما قتل بہ وهو قول الجمهوربذلک لعموم الآية ‘‘

’’اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَـاقِبُوا بِمِثْـلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ’’ اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنـا ہی بدلہ لو جتـنی تم پــر زیـادتی ہوئی‘‘ اور اس فرمان کہ: فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَـدُوا عَلَيْهِ بِمِثْـلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ (البقرہ:۱۹۴)’’لٰـذا اگــر کـوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتـنی ہی زیـادتی کرسکتے ہو جتنی اس نے تم پــر کی ہے‘‘ (علمـاء نے)کہا کہ یہ تمـام چـیزوں کے لـیے عـام ہیں اور انہوں نے اسے اس دلیـل کے سـاتھ تقـویت دی کہ نبی صـلی اللہ علیہ وسـلم نے اُس پیـالے کـو گھـر میں رکھ لیا کہ جو(عائشہ رضی اللہ عنہا)نے توڑا تھـا اور اس کے بـدلے میں صـحیح سـالم بھیجـا اور فرمایاکہ’’ برتن کے بـدلے بـرتن اورکھـانے کے بـدلے کھانـا ‘‘ اســے ابــوداؤد نے بیــان کیــا(پھــر کہا کہ)علمـاءکے درمیـان اس بـات پــر کـوئی اختلاف نہیں کہ یہ آیت قصـاص میں’’ مِثـل بالمثـل ‘‘کی بنیاد ہے لہٰذا جـو کـوئی جس چـیز کٔ سـاتھ قتـل کرے گا اُسے اسی چیز کے ساتھ قتـل کیـا جـائے گـا اور یہ جمہور کــا قــول ہے . آیت کی ’’عمــومیت ‘‘سے استدلال کرتے ہوئے‘‘ ۔

(تفسیر القرطبی:۳۵۷/۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے خود سے کیے گئے ایک سوال کے جواب میں اس آیت کی’’ عمومیت‘‘ کے تقاضے کے مطابق فتوی دیا ہے لہٰذا آپ ؒ نے فرمایا:

’’وَسُئِلَ شَيْخُ الْاِسْلَامِ عَنْ رَجُلٍ أُخِذَ مَالُهُ ظُلْمًا بِغَيْرِ حَقٍّ وَانْتُهِکَ عِرْضُهُ أَوْ نِيلَ مِنْهُ فِی بَدَنِهِ فَلَمْ يَقْتَصَّ فِی الدُّنْيَا وَعَلِمَ أَنَّ مَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى.فَهَلْ يَكُونُ عَفْوُهُ عَنْ ظَالِمِهِ مُسْقِطًا عِنْدَ اللَّهِ؟ أَمْ نَقْصًا لَهُ؟ أَمْ لَا يَكُونُ؟أَوْ يَكُونُ أَجْرُهُ بَاقِيًا كَامِلًا مُوَفَّرًا ؟وَأَيُّمَا أَوْلَى مُطَالَبَتُهُ لِهَذَا الظَّالِمِ وَالِانْتِقَامُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِوَتَعْذِيبُ اللَّهِ لَهُ.أَوْ الْعَفْوُ عَنْهُ وَقَبُولُ الْحَوَالَةِ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى؟ الْجَوَابُ فَأَجَابَ:لَا يَكُونُ الْعَفْوُ عَنْ الظَّالِمِ وَلَا قَلِيلُهُ مُسْقِطًا لِأَجْرِ الْمَظْلُومِ عِنْدَ اللَّهِ وَلَا مُنْقِصًا لَهُ؛ بَلْ الْعَفْوُ عَنْ الظَّالِمِ يُصَيِّرُ أَجْرَهُ عَلَى اللَّهِ تَعَالَى ؛فَإِنَّهُ اذَا لَمْ يَعْفُ كَانَ حَقُّهُ عَلَى الظَّالِمِ فَلَهُ أَنْ يَقْتَصَّ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلِمَتِهِ وَإِذَا عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ .وَأَجْرُهُ الَّذِی هُوَ عَلَى اللَّهِ خَيْرٌ وَأَبْقَى.قَالَ تَعَالَى:وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ إنَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴿﴾فَقَدْ أَخْبَرَ أَنَّ جَزَاءَ السَّيِّئَةِ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا بِلَا عُدْوَانٍ وَهَذَا هُوَ الْقِصَاصُ فِی الدِّمَاءِ وَالْأَمْوَالِ وَالْأَعْرَاضِ وَنَحْوِ ذَلِکَ﴿ثُمَّ قَالَ:﴿فَمَنْ عَفَا وَأَصلَحَ فَأَجرُہُ عَلَی ا‘‘

’’اُس آدمی کے بارے میں کیا خیال ہے کہ جس کا مال ناحق ظلم کرتے ہوئے چھینا گیا اور اس کی عزت کی پامالی کی گئی یا اس کے جسم کوکوئی نقصان پہنچایا گیا تو اُس نے یہ جانتے ہوئے کہ جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے دنیا میں بدلہ نہ لیا۔ تو کیا اس کا اپنے ظالم کو معاف کرنے سے اللہ کے ہاں اس کے اجر کو ختم یا کم کردے گا یا نہیں کرے گا، یا پھر اس کا مکمل اور پورا اجر رہے گا۔ اور کیا چیز اس کے لیے بہتر ہوگی اس ظالم سے قیامت کے دن

انتقام لینا اور اس کے لیے اللہ کے عذاب کا مطالبہ یا اسے معاف کرنا اور اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کو قبول کرنا؟ تو آپ نے جواب دیا:ظالم کو معاف کرنے خواہ اس کا حق تھوڑا ہی ہو ، اللہ تعالیٰ کے ہاں مظلوم کا اجر ختم نہیں ہوتا اور نہ کم ہوتا ہے بلکہ ظالم کو معاف کرنے سے اُس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمے ہوجاتا ہے کیونکہ اگر وہ اپنے حق کو معاف نہیں کرتا تو اس صورت میں اس کا حق ظالم پر ہوتا ہے کہ اس سے اپنے اوپر کیے گیے ظلم کے برابر بدلے لے۔ اور اگر اس نے معاف کیا اور صلح کی تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے اور ظاہر ہے کہ اس کا جواجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے ۔اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :’’اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے پھر جو کوئی معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے وہ ظالموں کو قطعاً پسند نہیں کرتا‘‘(الشوری:۴۰)۔تو اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ برائی کا بدلہ اسی کی مانند برائی بغیر زیادتی کے ہے اور یہ خون اور اموال اور عزتوں وغیرہ کے قصاص میں ہے۔ پھر فرمایا:’’پھر جو کوئی معاف کردے اور صلح کرلے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے وہ ظالموں کو قطعاً پسند نہیں کرتا‘‘۔

(مجموع الفتاویٰ،ج۷ص۴۱۷)

شیخ الاسلامؒنے مزید فرمایا:

’’وَقَدْ قَالَ تَعَالَى:﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ﴾وَأَبَاحَ لَهُمْ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى اذَا عَاقَبُوا الظَّالِمَ أَنْ يُعَاقِبُوهُ بِمِثْلِ مَا عَاقَبَ بِهِ ثُمَّ قَالَ:وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ﴾ فَعُلِمَ أَنَّ الصَّبْرَ عَنْ عُقُوبَتِهِ بِالْمِثْلِ خَيْرٌ

مِنْ عُقُوبَتِهِ . فَكَيْفَ يَكُونُ مُسْقِطًا لِلْأَجْرِ أَوْ مُنْقِصًا لَهُ؟ ''أھـ مختصراً .''

''پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:''اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی''اور اللہ تعالیٰ نے ان(مسلمانوں)کے لیے یہ چیز مباح کی کہ وہ جب ظالم کو سزا دیں تو اسے اس کی سزا کے برابر سزادیں ۔ پھر فرمایا:''اور اگر برداشت کرجاؤ تو صبر کرنے والوں کے لیے یہی بات بہتر ہے''تو پتہ چلا کہ اسے بالمثل سزادینے سے صبر کرنا اس کی سزا سے بہتر ہے،کیونکہ یہ چیز اس کے اجر کو ختم یا کم کرسکتی ہے''۔

(مجموع الفتاویٰ،ج۷ص۴۱۷)

یہاں یہ نکتہ قابل غور ہے کہ امام ابن تیمیہ ؒ''بدلہ کی سزا''لینے کو عین شریعت قرار دے رہے ہیں اور صبر کرنے کو ایک اختیاری صورت قرار دیتے ہوئے اس کو اپنانے کو اجر کی زیادتی کا باعث قرار دے رہے ہیں اور دوسرا نکتہ یہ کہ جب کسی زیادتی کرنے والے مسلمان سے قصاص میں برابر (بالمثل)بدلہ لینا جائز ہے تو پھر جنگجو (کافر)کی زیادتی میں بدلہ لینا کیوں جائز نہ ہوگا؟

اسی طرح امام النوویؒنے لکھا:

''فصل اذا قتل بالسيف لم يقتص منه الا بالسيف لقوله تعالى﴿فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ﴾ولأن السيف أرجى الآلات فاذا قتل به واقتص بغيره أخذ فوق حقه لأن حقه فى القتل،وقد قتل وعذب فان أحرقه أو غرقه أو رماه بحجر أو رماه من شاهق أو ضربه بخشب أو حبسه ومنعه الطعام والشراب فمات فللولى أن

یقتص بذلک لقولہ تعالی ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ ولما روی البراء رضی اللہ عنہ أن النبی ﷺ قال:((من حرق حرقناہ ومن غرق غرقناہ))

(السنن الکبری للبیهقی ۴۳/۸، تفسیر النیسا پوری ۴۱۳/۱، تفسیر الرازی ۶۲/۳)ولأن القصاص موضوع علی المماثلہ والمماثلة ممکنة بهذہ الأسباب فجاز أن یستوفی بها القصاص ولہ أن یقتص منہ بالسیف لأنہ قد وجب لہ القتل والتعذیب فاذا عدل الی السیف فقد ترک بعض حقہ فجاز ''۔

(''المہذب'' ۱۸۶ /۲)

'' فصل:جب کوئی تلوار سے قتل کرے تو اس سے صرف تلوار کے ساتھ ہی بدلہ لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ:''لہٰذا اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرسکتے ہو جتنی اس نے تم پر کی ہے''۔(البقرہ:۱۹۴)چونکہ تلوار قتل کرنے کے آلات میں سے تیز ترین آلہ ہے سو اگر اُس نے اس کے ساتھ قتل کیا مگر اس سے قصاص اس کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعے لیا گیا تو اس سے اس کے حق سے زیادہ لیا گیا کیونکہ اس کے قتل میں تلوار کا حق ہوسکتا ہے کہ اس نے (مقتول)کو اذیتیں دے کر قتل کیا ہو تو اگر اُس نے اُسے جلایا ہویا پانی میں غرق کیا ہو یا پتھر سے مارا ہو یا اُسے بلند جگہ سے گرایایا اسے لکڑی سے مارا ہو یا اسے حبس میں رکھا ہو اور اس سے کھانا اور پانی وغیرہ روکا ہو حتی کہ مرگیا تو اس صورت میں وارث کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اس(قاتل سے)سے اسی طریقہ سے بدلہ لے ۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے:''ور اگر

تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی''اوراس حدیث کی وجہ سے کہ جو البراء رضی اللہ عنہ نے بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے جلایا ہم اسے جلائیں گے اور جس نے غرق کیا ہم اسے غرق کریں گے''

(السنن الکبری للبھیقی ۴۳/۸،تفسیر النیسا پوری ۴۱۳/۱،تفسیر الرازی۶۲/۳)

اس لیے بھی کہ قصاص کی بنیاد مماثلت پر ہے اور مماثلت میں یہ اسباب بھی ممکن ہیں لہٰذا انی اسباب کے ساتھ قصاص کا پورا کرنا جائز ہے مگر اس کے لیے تلوار کے ساتھ بدلہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ اس (قاتل)پر تو قتل واذّیت دینا ثابت ہوچکا ہے لہذا اگر و (مقتول کا وارث)تلوار کے ذریعہ بدلہ لینے کو اختیار کرتے ہوئے اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہوتا ہے(یعنی قاتل کو اسی طرح قتل نہیں کرتا کہ جس طرح مقتول کو قتل کیا گیا) تو یہ اُس کے لیے جائز ہے''۔

امام الشوکانی ہنے کہا کہ:

''قَوْلُہ تَعَالَی﴿وَجَزَاء ُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا﴾وقَوْلُہ تَعَالَی﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِہِ﴾وقَوْلُہ تَعَالَی﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِہِ﴾وَالْحَاصِلُ أَنَّ الْأَدِلَّةَ الْقَاضِيَةَ بِتَحْرِيمِ مَالِ الْآدَمِيِّ وَدَمِهِ وَعِرْضِہِ عُمُومُهَا مُخَصَّصٌ بِهَذِهِ الثَّلَاثِ الْآيَاتِ ''

'' اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ''اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے''اور اس کا یہ فرمان کہ''اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی اور اس کا یہ فرمان

کہ’’لہٰذا اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرسکتے ہو جتنی اس نے تم پر کی ہے‘‘۔ان سے پتہ چلتا ہے کہ آدمی کے خون، مال اور اس کی عزت کی حرمت پر دلالت کرنے والی دلیلوں کی عمومیت کو یہ تین آیتیں مخصوص کرتیں ہیں(یعنی یہ کہ قصاص کی صورت میں آدمی کی عزت ومال وخون کی حرمت ان تین آیات کی وجہ سے باقی نہیں رہتی)‘‘۔

(نیل الأوطار،ج۹ص۷۲)

امام ابن القیم ؒنے فرماتے ہیں:

’’وَقَوْلُہٗ: فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ ﴾وَقَوْلُہٗ:﴿وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا﴾وَقَوْلُہٗ: ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِہٖ يَقْتَضِي جَوَازَ ذَلِكَ،وَقَدْ صَرَّحَ الْفُقَهَاءُ بِجَوَازِ احْرَاقِ زُرُوعِ الْكُفَّارِ وَقَطْعِ أَشْجَارِهِمْ اذَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ذَلِكَ بِنَا ‘‘

’’ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ’’لٰذا اگر کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرسکتے ہو جتنی اس نے تم پر کی ہے‘‘۔اور اس کا یہ فرمان کہ’’اور برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے‘‘۔اور اس کا یہ فرمان کہ’’اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی‘‘۔اس(یعنی جانوں عزتوں اور مالوں کے سلسلے میں بالمثل سزا)کا تقاضا کرتا ہے اور فقہا ء کفار کی کھیتیوں کو جلانے اور ان کے درختوں کو کاٹنے کے جوازکی صراحت کرچکے ہیں کہ اگر وہ ہمارے ساتھ ایسا ہی کرتے ہیں‘‘۔

اہل علم سے نقل شدہ ان دلائل اور اس بیان کے بعد کہ بالمثل سزا جوکہ قرآنی آیات میں وارد ہوئی ہے۔ یہ اُس مثلہ کے ساتھ مخصوص نہیں کہ جو ان آیات میں سے کسی ایک کے نزول کا سبب تھا، بلکہ یہ قصاص، حدود(اسلامی)اور کفار اور مسلمانوں کے ظالم، فاسق لوگوں کے ساتھ معاملات کے لیے عام ہیں۔ سو اگر کسی مسلمان سے اس کے جرم کے مانند قصاص لینا جائز ہے۔ تو پھر جنگجو کافر کے ساتھ اسی قسم کا برتاؤ کرنازیادہ مناسب اور جائز ہے۔ کہ جس طرح کا اس نے مسلمانوں کے ساتھ کیا۔

(اعلام الموقعین،ج١ص٤٤٧)

معاملہ بالمثل میں بعض حرام کردہ چیزیں بھی حلال ہوجاتی ہیں:

چنانچہ جب بات’’معاملہ بالمثل‘‘کی ہویعنی بدلہ کی سزا دینے کی،تو پھر شریعت میں بعض حرام کردہ چیزی بھی حلال ہوجاتی ہیں جس کی صراحت سلف و صالحین اپنے فتاویٰ میں کردی ہے۔چند وہ حرام چیزیں جوکہ حلال ہوجاتی ہیں معاملہ بالمثل ’’بدلہ کی سزا‘‘میں۔

(١)حرمت کے مہینوں میں لڑنے کی ممانعت ختم ہوجاتی ہے:

﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاص فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾

(البقرة:١٩۴)

امام قرطبی ؒاپنی تفسیر میں وضاحت کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں :

’’وروی عن الحسن أن المشرکین قالوا للنبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم:أنهیت یا محمد عن القتال فی الشهر الحرام؟قال:(نعم)فأرادوا قتالہ،فنزلت الایة.المعنی:ان استحلوا ذلک فیہ فقاتلهم‘‘

’’اور الحسن سے مروی ہے کہ مشرکین نے رسول ﷺ سے پوچھا’’کیا آپ ﷺ پر حرمت کے مہینوں میں لڑنا حرام ہے؟‘‘تو رسول ﷺنے جواب دیا ’’ہاں‘‘تو مشرکین نے ان کے خلاف ان مہینوں میں لڑنے کی تیا ری شروع کردی تو اللہ نے یہ آیتیں اتاریں اور ان (آیتوں)کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اس کو جائز کرلیں (یعنی حرمت کے مہینوں میں لڑنا)تو تم بھی اس میں ان سے لڑو۔‘‘

(تفسیر القرطبی،ج٢،ص٣۵۴)

(٢)مسجدحرام میں لڑنے کی ممانعت ختم ہوجاتی ہے:

اللہ تعالیٰ مسجدحرام کی عظمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَمَنْ دَخَلَہٗ كَانَ اٰمِنًا﴾

’’اس میں جو داخل ہوجائے اس کو امن مل جاتا ہے‘‘

(آل عمران:٩٧)

لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا:

﴿وَلاَ تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ﴾

(البقرۃ:۱۹۱)

حافظ ابنِ کثیر ؒدرجِ بالا آیت کے متعلق اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

’’یقول تعالی:لا تقاتلوھم عند المسجد الحرام الا أن یَبْدَؤوکم بالقتال فیہ، فلکم حینئذ قتالھم وقتلھم دفعا للصیال‘‘

’’(اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے):’’اور کفار کے خلاف مسجدحرام میں لڑائی کا آغاز نہ کرو جب تک وہ تم سے نہ لڑیں (اور اگر وہ تم سے لڑیں)تو تمہیں حق ہے کہ تم ان سے لڑو‘‘

(تفسیرابن کثیر،ج۱،ص۵۲۵)

اسی طرح اس آیت پر امام طبر ی ؒفرماتے ہیں:

’’لأنی قد جعلتُ الحُرمات قصاصًا،فمن استحلّ منکم أیھا المؤمنون من المشرکین حُرْمۃً فی حَرَمی، فاستحلوا منہ مثلہ فیہ‘‘۔

’’(اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے)اس لئے کہ میں نے حرام چیزوں کو جائز کیا ہے قصاص میں ،تو جس چیز کو مشرکین حلال کردیں ....جیسے اے ایمان والو!میرے گھر (مسجد الحرام)کی حرمت کو،تو تم بھی اسی طرح حلال کرلو‘‘۔

(تفسیر الطبری،ج۳،ص۵۸۱)

(۳)مثلہ کرنے کی ممانعت ختم ہوجاتی ہے:

مُثلہ کرنا حرام ہے مگر ’’بدلہ کی سزادینے‘‘ کی حالت میں یہ حرمت ختم ہوجاتی ہے۔لٰہذا مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے دشمن کے ساتھ ہر چیز میں اسی طرح کا معاملہ کریں جس طرح کامعاملہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا ہو۔لٰہذاامام ابن مفلحؒنے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒسے نقل کرتے ہوئے فرمایا کہ:

’’ان المثلة حق لهم ،فلهم فعلها للاستيفاء وأخذ الثأر ،ولهم تركها ،والصبر أفضل،وهذا حيث لا يكون فى التمثيل بهم زيادة فى الجهاد،ولا يكون نكالا لهم عن نظيرها،فأما اذا كان فى التمثيل الشائع دعاءً لهم الى الايمان أو زجراً لهم عن العدوان ،فانه هنا من باب اقامة الحدود والجهاد المشروع ‘‘

’’بلاشبہ مُثلہ کرنا اُن (مسلمانوں)کا حق ہے ، لہٰذا انہیں پورا بدلہ لینے اور انتقام لینے کے لیے اس کام کاحق حاصل ہے اور انہیں اسے نہ کرنے کا بھی اختیار ہے ،جبکہ صبر کرنا زیادہ بہتر ہے ۔ اور یہ بھی(صبر کرنا)اس صورت میں ہے کہ جب ان کا مُثلہ کرنا نہ جہاد میں اضافہ کا باعث ہو اور نہ ہی ان کے لیے ایسا کرنے میں سبق ہو۔لیکن اگر تمثیل عام(عام مُثلہ کرنا)انہیں)(کفار کو)ایمان کی طرف دعوت اور انہیں زیادتی وسرکشی سے روکنے کا سبب ہو تو یہاں اس صورت میں یہ کام حدود(اسلامی)کے اور شرعی جہاد کے قیام کے باب میں شمار ہوگا‘‘۔

(الفروع ۲۱۸/۶، کتاب الاختیارات۵۱۲/۵)

امام ابن القیم ؒنے اپنی کتاب حاشیہ میں فرمایا:

’’وقد أباح اللّٰہ تعالی للمسلمین أن یمثلوا بالکفار اذا مثلوا بهم وان کانت المثلة منهیا عنها فقال تعالی﴿وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِہٖ﴾وهذا دلیل علی جدع الأنف وقطع الأذن وبقر البطن ونحو ذلک هی عقوبة بالمثل لیست بعدوان والمثل هو العدل ‘‘

’’اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اس چیز کو مباح قراردیا ہے کہ وہ کفار کا مثلہ کریں اگر انہوں نے ان(مسلمانوں)کا مثلہ کیا ہوورنہ مثلہ کرنے سے منع کیا گیا ہے ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے فرمایا:’’اور اگر تم بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی‘‘یہ (آیت)ناک، کان کاٹنے اور پیٹ چاک کرنے اور اسی طرح کی دوسری سزا بالمثل (بدلے کی سزا)کیلئے دلیل ہے ۔ چہ جائے کہ اس چیز پر دلالت کرتی ہوکہ یہ ظلم وزیادتی ہے کیونکہ یہاں پر المثل ہی’’عدل‘‘ہے‘‘۔

(ابن القیم ، حاشیہ ۱۸۰/۱۲)

امام ابن تیمیہ ؒمزیدفرماتے ہیں

’’فَأَمَّا التَّمْثِیلُ فِی الْقَتْلِ فَلَا یَجُوزُ الَّا عَلَی وَجْہِ الْقِصَاصِ وَقَدْقَالَ عِمْرَانُ بْنُ حُصَیْنٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ مَا خَطَبَنَا رَسُولُ اللِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُطْبَةً الَّا أَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ وَنَهَانَا عَنْ الْمُثْلَةِ حَتَّی الْکُفَّارُ اذَا قَتَلْنَاهُمْ فَانَّا لَا نُمَثِّلُ بِهِمْ بَعْدَ الْقَتْلِ وَلَا نَجْدَعُ آذَانَهُمْ وَأُنُوفَهُمْ وَلَا نَبْقُرُ بُطُونَهُمْ الَّا انْ یَکُونُوا فَعَلُوا ذَلِکَ بِنَا فَنَفْعَلُ بِهِمْ مِثْلَ مَا فَعَلُوا ‘‘

’’جہاں تک مثلہ کاتعلق ہے تو یہ حرام ہے جب تک کہ بدلے میں نہ کیا جائے اور جیسے عمران ابن حصین سے مروی ہے ’’رسول اللہ ﷺ نے کبھی ہمیں کوئی خطبہ نہیں دیامگر یہ کہ اس میں جب انہوں نے ہمیں حکم نہ دیا ہو سچائی کا،مثلہ کی ممانعت کا ‘‘اور کفار کو بھی جب ہم ان سے لڑیں ان کا مثلہ نہیں کیا جاسکتا ، نہ ہی ان کے کا ن کاٹے جاسکتے ہیں ،نہ ان کی انتڑیاں نکالی جاسکتی ہیں الا یہ کہ وہ ہمارے ساتھ بھی یہی کریں تو تب ہم ان کے ساتھ وہی کرسکتے ہیں جو انہوں نے ہمارے ساتھ کیا ہے‘‘

(مجموع الفتاویٰ،ج۶،ص۳۸۴،باب المحاربون اخذو المال)

(۴)آگ سے سزا دینے کی ممانعت ختم ہوجاتی ہے :

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((لَا یُعَذِّبُ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ))

’’اور بے شک کوئی بھی آگ سے سزانہیں دیتا سوائے اللہ کے ‘‘۔

(مسند احمد،ج:۳۲،ص۲۴۳،رقم الحدیث:۱۵۴۵۷)

امام بخاریؒنے اس حدیث کو ’’اگر مشرکین مسلمانوں کوآگ میں جلائیں تو مسلمان بھی بدلے میں ان کو آگ میں جلاسکتے ہیں‘‘کے تحت نقل کیا ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں قبیلہ عرینہ اور عکل کا واقعہ یوں مذکور ہے:

((عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ أَنَّ نَاسًا مِنْ (عُکْلٍ أَوْ) عُرَیْنَةَ قَدِمُوا عَلَی رَسُولِ اللَّہِ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِینَةَ فَاجْتَوَوْهَا فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّہِ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنْ شِئْتُمْ أَنْ تَخْرُجُوا إِلَی إِبِلِ الصَّدَقَةِ فَتَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا فَفَعَلُوا فَصَحُّوا ثُمَّ مَالُوا عَلَی الرُّعَاةِ فَقَتَلُوهُمْ وَارْتَدُّوا عَنْ الْإِسْلَامِ وَسَاقُوا ذَوْدَ رَسُولِ اللَّہِ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَلَغَ ذَلِکَ النَّبِیَّ صَلَّی اللَّہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَبَعَثَ فِی أَثَرِهِمْ فَأُتِیَ بِهِمْ فَقَطَعَ أَیْدِیَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ وَسَمَلَ أَعْیُنَهُمْ وَتَرَکَهُمْ فِی الْحَرَّةِ حَتَّی مَاتُوا))

’’حضرت انس بن مالک ہسے مروی ہے کہ قبیلہ (عکل یا)عرینہ کے لوگ مسلمان ہوکر آپ ﷺکی خدمت میں حاضر ہوئے۔انہیں مدینہ کی آب و ہوا راس نہ آئی تو نبی کریم ﷺنے انہیں مدینہ سے باہر ،جہاں صدقہ کے اونٹ تھے،بھیج دیا کہ ان کادودھ اور پیشاب پیو ، اللہ شفاء عطافرمائے گا۔چنانچہ چند روز میں وہ ٹھیک ہوگئے لیکن اس کے بعد انہوں نے اونٹوں کے رکھوالوں اور ان کے چراہوں کو قتل کردیا اور اسلام سے پھر گئے.جب اس کی خبر رسول اللہ ﷺکو ملی تو آپ ﷺنے ان کے پیچھے آدمی دوڑائے جوانہیں اونٹوں سمیت پکڑ لائے۔نبی کریم ﷺنے ان کے ہاتھ پیر مخالف جانب سے کاٹ ڈالے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھروادیں (کیونکہ انہوں نے چراہوں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا)پھر انہیں تپتے صحراء میں ڈلوادیا حتیٰ کہ وہ وہیں مرگئے‘‘۔

(صحیح مسلم،ج۹،ص۸،رقم الحدیث۳۱۶۲،صحیح البخاری،ج۱،ص۳۹۰،رقم الحدیث:۲۲۶)

امام الباجی ہنے اس واقعہ کے حوالے سے فرماتے ہیں :

’’ان (مرتدین)نے چرواہوں کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا۔تو اس صورت میں یہ جائز ہوا کہ ان کے اعضاء کاٹے جائیں (آگ سے)جیسا کہ انہوں نے مسلمانوں کے اعضاء کاٹے جس طرح کہ اصولِ قصاص میں ہے‘‘۔

(المنتقی شرح الموطا،ج۳،ص۱۷۲)

اس ضمن میں اس بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ کچھ اسلاف آگ کے استعمال کو ناپسند کرتے تھے جیساکہ ابنِ حجر ؒفرماتے ہیں :

’’فَکَرِہَ ذَلِکَ عُمَر وَابْنِ عَبَّاس وَغَیْرھمَا مُطْلَقًا سَوَاء کَانَ ذَلِکَ بِسَبَبِ کُفْر أَوْ فِی حَال مُقَاتَلَة أَوْ کَانَ قِصَاصًا ،وَأَجَازَہُ عَلِیٌّ وَخَالِد بْن الْوَلِید وَغَیْرھمَا‘‘

’’اور اسلاف کا اختلاف آگ سے جلانے کے متعلق ہے عمرؓاور ابنِ عباسؓاس کو ناپسند کرتے تھے۔ چاہے یہ اُن کے ارتداد کے نتیجے میں ہویا (اللہ کے خلاف)جنگ یا قصاص میں بھی۔اور علیؓ،خالد ابنِ ولیدؓاور دیگر اس کو جائز سمجھتے تھے‘‘۔

(فتح الباری،ج۹،ص ۲۳۰،رقم:۲۷۹۳)

لیکن امام الشوکانی الحنفیؒفرماتے ہیں کہ:

’’وَقَدْ أَحْرَقَ أَبُو بَکْرٍ بِالنَّارِ فِي حَضْرِ الصَّحَابَةِ ، وَحَرَّقَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِیدِ نَاسًا مِنْ أَھْلِ الرِّدَّةِ،وَکَذَلِکَ حَرَّقَ عَلِیٌّ کَمَا تَقَدَّمَ فِی کِتَابِ الْحُدُودِ ‘‘

(نیل الاوطار،ج۱۲،ص۸۳)

’’اور بے شک حضرت ابو بکر ؓنے لوگوں کو آگ سے جلایا صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں

اور خالد ابن ولید نے مرتدین میں سے لوگوں کو جلایا،اور علی نے بھی‘‘

اور ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں :

’’اور یہ قوی اسناد سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے زندیقوں کو آگ لگا ئی‘‘۔

(مجموعہ الفتاویٰ)

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ شاید حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ آگ سے جلانے کی ممانعت والی حدیث سے لاعلم تھے مگرایسا نہیں ہے یہ اس لئے کہ

((عَنْ عِکْرِمَةَ قَالَ أتِیَ عَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ بِزَنَادِقَةٍ فَأَحْرَقَهُمْ فَبَلَغَ ذَلِکَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَوْ کُنْتُ أَنَا لَمْ أُحْرِقْهُمْ لِنَهْیِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُعَذِّبُوا بِعَذَابِ اللّٰہِ))

’’ ابنِ عباس ؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت علی ؓ نے مرتدین کو جلایا (تو انہوں نے کہا)اگر یہ مجھ پر ہوتا تو میں نہ جلاتا اور ان کو صرف قتل کردیتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا’’اور کوئی بھی آگ سے سزا نہیں دیتا کیونکہ اللہ ہی ہے جو آگ سے سزادیتا ہے‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۲۱،ص۲۴۱،رقم الحدیث:۲۴۱۱)

مگر جب حضرت علی ؓ کو حضرت ابن عباس ؓ کی یہ رائے معلوم ہوئی تو اس پر آپ نے یہ فرمایا:

((فَبَلَغَ ذَلِکَ عَلِیًّا کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْهَہُ فَقَالَ وَیْحَ ابْنِ أُمِّ ابْنِ عَبَّاسٍ))۔

’’اور جب ابن عباس ؓکا یہ اعتراض حضرت علی ؓکو پہنچا تو انہوں نے ان کی حدیث کے فہم کو قبول نہیں کیا اور قائم رہے مرتدین کو جلانے کے اپنے عمل پر اور کہا ابنِ عباس ؓکے جملے کے متعلق ’’ابنِ عباس پرافسوس!(کہ وہ اصل حکم نہ جان سکے) ‘‘ ۔

(مسند احمد،ج۴،ص۳۰۷،رقم الحدیث:۱۷۷۵،بدایة مسند عبد اللّٰہ بن عباسؓسنن الدارالقطنی،ج۷،ص ۴۷۶،رقم الحدیث:۳۲۹۲).

عربی زبان میں ’’ویح ‘‘کا لفظ کسی کے لئے تحسین و تعریف کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور کبھی کسی کے متعلق افسوس اور بے علمی کے لئے بھی بولا جاتاہے۔

اسی طرح مصنف عبدالرزاق سے یہ بات منقول حضرت عمر ؓنے جب حضرت خالد بن ولید ؓکی جانب سے مرتدین کے جلانے کے عمل پر تنقید کی تو حضرت ابوبکر ؓنے اس کایوں جواب دیا:

((عن هشام بن عروة عن أبيه قال:حرق خالد بن الوليد ناسا من أهل الردة،فقال عمر لابى بكر:أتدع هذا الذى يعذب بعذاب اللّٰه،فقال أبو بكر:لا أشيم سيفا سله اللّٰه على المشركين))۔

’’جب خالد ؓنے مرتدین کو جلایا تو عمرؓنے ابوبکرؓکو کہا:’’کیا آپ اسے اللہ کی سزا سے سزا دینے کی اجازت دیں گے‘‘ابوبکر ؓنے فرمایا:’’میں اس تلوار کو کیسے ڈھانپ دوں جس کو اللہ نے کفار پر چھوڑدیا‘‘۔

(مصنف عبد الرزاق،ج۵،ص۲۱۲،رقم الحدیث:۹۴۱۲۔ باب القتل بالنار)

لہٰذاحضرت عمر ؓکا یہ شبہ رفع ہوگیا ۔ چنانچہ خود حضرت عمرؓکے دورِ خلافت کے حوالے سے امام بیہقی ؒحضرت یزید بن ابی حبیب ؒکا فتح قیساریہ کایہ احوال نقل کرتے ہیں کہ:

’’وہ لوگ (یعنی مسلمان) قیساریہ پر روزانہ ساٹھ منجینقوں سے گولے باری کرتے تھے‘‘۔

چنانچہ امام نووی ؒفرماتے ہیں:

’’فصل اذا قتل بالسیف لم یقتص منه الا بالسیف لقوله تعالی ﴿فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ﴾ ولأن السیف أرجی الآلات فاذا قتل به واقتص بغیره أخذ فوق حقه لأن حقه فی القتل،وقد قتل وعذب فان أحرقه أو غرقه أو رماه بحجر أو رماه من شاهق أو ضربه بخشب أو حبسه ومنعه الطعام والشراب فمات فللولی أن یقتص بذلک لقوله تعالی ﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ﴾ ولما روی البراء رضی اللّٰه عنه أن النبی ﷺ قال:((من حرق حرقناه ومن غرق غرقناه))

(السنن الکبری للبیهقی ۴۳/۸،تفسیر النیسا پوری ۴۱۳/۱،تفسیر الرازی۶۲/۳)ولأن القصاص موضوع علی المماثلة والمماثلة ممکنة بهذه الأسباب فجاز أن یستوفی بها القصاص وله أن یقتص منه بالسیف لأنه قد وجب له القتل والتعذیب فاذا عدل الی السیف فقد ترک بعض حقه فجاز ‘‘۔

(’’المهذب‘‘۱۸۶ /۲)

’’ فصل:جب کوئی تلوار سے قتل کرے تو اس سے صرف تلوار کے ساتھ ہی بدلہ لیا جائے گا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ:’’لٰذا اگر

کوئی تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرسکتے ہو جتنی اس نے تم پر کی ہے‘‘۔(البقرہ)چونکہ تلوار قتل کرنے کے آلات میں سے تیز ترین آلہ ہے سو اگر اُس نے اس کے ساتھ قتل کیا مگر اس سے قصاص اس کے علاوہ کسی اور چیز کے ذریعے لیا گیا تو اس سے اس کے حق سے زیادہ لیا گیا کیونکہ اس کے قتل میں تلوار کا حق ہےہوسکتا ہے کہ اس نے (مقتول)کو اذیتیں دے کر قتل کیا ہو تو اگر اُس نے اُسے جلایا ہویا پانی میں غرق کیا ہو یا پتھر سے مارا ہو یا اُسے بلند جگہ سے گرایایا اسے لکڑی سے مارا ہو یا اسے حبس میں رکھا ہو اور اس سے کھانا اور پانی وغیرہ روکا ہو حتی کہ وہ مرگیا تو اس صورت میں وارث کو حق پہنچتا ہے کہ اس سے اسی طریقہ سے بدلہ لے ، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے:۔وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِہِ ’’اور اگر تمہیں بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تم پر زیادتی ہوئی‘‘اوراس حدیث کی وجہ سے کہ جو البراء رضی اللہ عنہ نے بیان کی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’جس نے جلایا ہم اسے جلائیں گے اور جس نے غرق کیا ہم اسے غرق کریں گے‘‘

(السنن الکبری للبیھقی ۴۳/۸،تفسیر النیسا پوری ۴۱۳/۱،تفسیر الرازیۃ۶۲/۳)

اس لیے بھی کہ قصاص کی بنیاد مماثلت پر ہے اور مماثلت میں یہ اسباب بھی ممکن ہیں لٰہذا انی اسباب کے ساتھ قصاص کا پورا کرنا جائز ہے مگر اس کے لیے تلوار کے ساتھ بدلہ لینا بھی جائز ہے کیونکہ اس (قاتل)پر تو قتل واذّیت دینا ثابت ہوچکا ہے لہذا اگر و (مقتول کا وارث)تلوار کے ذریعے بدلہ لینے کو اختیار کرتے

ہوئے اپنے بعض حقوق سے دستبردار ہوتا ہے(یعنی قاتل کو اسی طرح قتل نہیں کرتا کہ جس طرح مقتول کو قتل کیا گیا) تو یہ بھی اُس کے لیے جائز ہے‘‘۔

امام ابن حجر ؒپھر امام مہلب ؒکا یہ قول نقل کرتے ہیں:

’’وَقَالَ الْمُهَلَّب:لَيْسَ هَذَا النَّهْى عَلَى التَّحْرِيم بَلْ عَلَى سَبِيل التَّوَاضُع،وَيَدُلّ عَلَى جَوَاز التَّحْرِيق فِعْل الصَّحَابَة،وَقَدْ سَمَلَ النَّبِيّ صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَعْيُن الْعُرَنِيِّينَ بِالْحَدِيدِ الْمَحْمِيّ،وَقَدْ حَرَقَ أَبُو بَكْر الْبُغَاة بِالنَّارِ بِحَضْرَةِ الصَّحَابَة،وَحَرَقَ خَالِد بْن الْوَلِيد بِالنَّارِ نَاسًا مِنْ أَهْل الرِّدَّة ‘‘

’’یہاں پر (آگ سے جلانے سے)جو منع کیا گیا وہ بطور حرمت نہیں بلکہ اخلاقاً ہے اور یہ اس بات کے جائز ہونے پر دلالت کرتاہے کہ ’’جلانا ‘‘صحابہ کاعمل تھا اور نبی کریمﷺنے لوہے کی گرم سلاخوں کو آنکھوں پر پھیرا اور ابوبکرؓنے باغیوں کو جلایا جبکہ صحابہ کرامؓاس وقت موجود تھے اور حضرت خالدبن ولیدؓنے مرتدین کو جلایا‘‘۔

(فتح الباری،ج۹،ص ۲۳۰،رقم:۲۷۹۳)

(۵)فصلوں اور درختوں کو تباہ کرنے کی ممانعت ختم ہوجاتی ہے:

شریعت کی عمومی رہنمائی تو یہ ہی ہے کہ بغیر کسی ضرورت کے کھیتیوں اور فصلوں کو نہ اجڑا جائے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ :

﴿وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِیْ الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیِْھَا وَیُھْلِکَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰہُ لاَ یُحِبُّ الْفَسَادُ

’’اور جب وہ لوٹ کر جاتا ہے تو زمین میں فساد پھیلانے کی اور کھیتی اور نسل کی بربادی کی کوشش میں لگا رہتاہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں کرتا‘‘۔

(البقرۃ:۲۰۵)

اسی لئے حضرت ابوبکر ؓاپنے لشکر کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے تھے:

’’(بلا ضرورت)درختوں کو نہیں کاٹو ،تباہی مت مچاؤ،نہ فصلیں برباد کرو‘‘۔

(المغنی،المبسوط،المحلی)

لیکن جب کفار ہماری کھیتیوں اورفصلوں کو تباہ کررہے ہوں اوراملاک کو برباد کررہے ہوں تو پھر مسلمانوں کو بھی اس بات کی اجازت ہے کہ وہ کفار کی کھیتیوں اور فصلوں کو تباہ کریں اور املاک کو برباد کریں تاکہ کفار اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔اس کے علاوہ اگر کفار یہ نہ بھی کررہے ہوں تو ضرورتاً مسلمانوں کے لئے ایساکرنا پھر بھی جائز ہے ۔امام ابن ِ قدامہؒفرماتے ہیں:

’’وَلَا یَقْطَعُ شَجَرَھُمْ ،وَلَا یُحَرِّقُ زَرْعَھُمْ ،الَّا أَنْ یَکُونُوا یَفْعَلُونَ ذَلِکَ فِی بِلَادِنَا،فَیُفْعَلُ ذَلِکَ بِھِمْ لِیَنْتَھُوا وَجُمْلَتُہُ أَنَّ الشَّجَرَ وَالزَّرْعَ یَنْقَسِمُ ثَلَاثَۃَ أَقْسَامٍ؛

أَحَدُھَا:مَا تَدْعُو الْحَاجَۃُ الَی اتْلَافِہِ کَالَّذِی یَقْرُبُ مِنْ حُصُونِھِمْ ،وَیَمْنَعُ مِنْ قِتَالِھِمْ ،أَوْ یُسْتَرُونَ بِہِ مِنْ

الْمُسْلِمِينَ ،أَوْ يَحْتَاجُ الَى قَطْعٍ لِتَوْسِعَةِ طَرِيقٍ،أَوْ تَمَكُّنٍ مِنْ قِتَالٍ،أَوْ سَدِّ بَثْقٍ،أَوْ اصْلَاحِ طَرِيقٍ ،أَوْ سِتَارَةِ مَنْجَنِيقٍ ،أَوْ غَيْرِ ،أَوْ يَكُونُونَ يَفْعَلُونَ ذَلِکَ بِنَا ،فَيُفْعَلُ بِهِمْ ذَلِکَ ، لِيَنْتَهُوا،فَهَذَا يَجُوزُ،بِغَيْرِ خِلَافٍ نَعْلَمُہ .

الثَّانِى:مَا يَتَضَرَّرُ الْمُسْلِمُونَ بِقَطْعِہِ،لِکَوْنِهِمْ يَنْتَفِعُونَ بِبَقَائِہِ لِعَلُوفَتِهِمْ ،أَوْ يَسْتَظِلُّونَ بِہِ ،أَوْ يَأْكُلُونَ مِنْ ثَمَرِہِ،أَوْ تَكُونُ الْعَادَةُ لَمْ تَجْرِ بِذَلِکَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ عَدُوِّنَا،فَإِذَا فَعَلْنَاہ بِهِمْ فَعَلُوہ بِنَا،فَهَذَا يَحْرُمُ؛لِمَا فِيہِ مِنْ الْاِضْرَارِ بِالْمُسْلِمِينَ .

الثَّالِثُ:مَا عَدَا هَذَيْنِ الْقِسْمَيْنِ،مِمَّا لَا ضَرَرَ فِيہِ بِالْمُسْلِمِينَ،وَلَا نَفْعٌ سِوَى غَيْظِ الْكُفَّارِ،وَالْاِضْرَارِ بِهِمْ،فَفِيہِ رِوَايَتَانِ؛احْدَاهُمَا،لَا يَجُوزُ؛لِحَدِيثِ أَبِى بَكْرٍ وَوَصِيَّتِہِ،وَقَدْ رُوِىَ نَحْوُ ذَلِکَ مَرْفُوعًا الَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ وَلِأَنَّ فِيہِ اتْلَافًا مَحْضًا،فَلَمْ يَجُزْ،كَعَقْرِ الْحَيَوَانِ.وَبِهَذَا قَالَ الأَوْزَاعِىُّ،وَاللَّيْثُ،وَأَبُو ثَوْرٍ.وَالرِّوَايَةُ الثَّانِيَةُ،يَجُوزُ.وَبِهَذَا قَالَ وَمَالِکٌ،وَالشَّافِعِىُّ،وَاِسْحَاقُ،وَابْنُ الْمُنْذِرِ.قَالَ اِسْحَاق:التَّحْرِيقُ سُنَّةٌ،اذَا كَانَ أَنْكَى فِى الْعَدُوِّ .‘‘

’’کفار کے درخت نہیں کاٹنے چاہیے،نہ ان کی فصلیں جلانی چاہیے،جب تک وہ ہماری زمینوں میں یہ نہ کریں،(اور اگر وہ ایسا کریں)تو پھر ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کرنا چاہیے ،تاکہ یہ رک جائیں(دوبارہ کرنے سے)اور بنیادی طور پر درخت اور فصلوں (کے احکامات)کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

(ا)......وہ جس کا جلانا ضروری ہے ،جیسا کہ وہ جوان کے قلعوں کے نزدیک ہو اور دشمن کے خلاف لڑنے میں رکاوٹ ہو،یا مسلمانوں کو معذور

کرتی ہو(ان پر حملہ کرنے سے)یا ان کو کاٹنے
کی ضرورت پڑے راستہ کو چوڑا کرنے کی وجہ
سے ،یا جنگ میں مدد کے لئے ،یا راستہ صحیح
کرنے کے لئے ،یا منجنیق وغیرہ کو چھپانے کے لئے
(وغیرہ وغیر)یا اس جیسی اور چیزیں ،یاکفار
ہمارے درختوں اور فصلوں کو تباہ کریں تو پھر
ان کے ساتھ بھی یہی کیا جاسکتا ہے۔ تاکہ ان کو
روکا جاسکے اور اس کی اجازت ہے۔ بغیر کسی
اختلاف کے جس کو ہم جانتے ہوں۔

(۲)......وہ جس کے کاٹنے(تباہ کرنے)سے
مسلمانوں کو نقصان پہنچے:یہ اس لئے کہ اس
کے باقی رہ جانے سے جو فائدہ مسلمانوں کو
پہنچتا ہے، یا اس کے سائے سے،اور اس پر پھل
اور اناج کے کھانے سے،جیساکہ عام طور پر ہوتا
ہے،اور اس سے مسلمان اور کفار کے بیچ نزاع نہ
پیدا ہوتا ہو،تو اگر ہم ان درختوں کو کاٹ دیں یا
جلادیں تو ہوسکتا ہے کہ وہ بھی ہمارے ساتھ
ایسا ہی کریں۔تو یہ منع ہے۔ مسلمانوں کو
ممکنہ نقصان پہنچنے کی وجہ سے۔

(۳)......اور جو ا ن دونوں کے علاوہ ہو:وہ جس
سے مسلمانوں کو نہ فائدہ پہنچتا ہواور نہ
نقصان،سوائے یہ کہ اس سے کفار کو نقصان
پہنچتا ہو یا وہ غضبناک ہوتے ہوں،تو اسکے
سلسلہ میں دو رائے ہیں.........

(الف)......اسکی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت
ابوبکرtکی وہ حدیث اور اس جیسی اور روایت
شدہ مرفوع(حدیثیں)رسول اللہ ﷺ سے،اور اس
لئے بھی کہ یہ غیرضروری تباہی ہے۔ تو اسکی
اجازت نہیں جیسا کہ جانوروں کو مارنا (بلاوجہ

اس کی اجـــــازت نہیں)اور یہ رائے امـــــام اوزاعیؒ،اللیثؒ اور ابو ثورؒ کی ہے۔

(ب)......اســکی اجـــازت ہے اور یہ رائے امــام مالک،امام شافعی،امام اسحق اور ابن منـذرؒ کی ہے۔ابن اسـحاقؒ کہتے ہیں ’’جلانـا ‘‘نـبی کـریم ﷺکی سنت ہے،جب ایسا کرنا دشمن کے لئے زیادہ نقصان دہ ہو‘‘۔

(المغنی،ج۲۱،ص۱۱۰،مسئلة:۷۵۸۴)

ان تمام دلائـل سـے یہ بـات واضـح ہوگـئی کہ ایسـی صورت جس میں کفار ہماری مال واملاک کوبرباد کـریں اور عورتوں بچوں کاتواترکے ساتھ قتل عام کـریں اور ان کی ہلاکت کا کوئی شمار نہ کرسکتا ہو تو ہم اس چـیز کو ایک ’’ضرورت ‘‘کے طور پر استعما ل کرسـکتے ہیں۔ جیسا کہ ابنِ قدامہ کے الفاظ پہلے بھی گزرچکے ہیں:

’’وَلَا یَقْطَعُ شَجَرَھُمْ،وَلَا یُحَرِّقُ زَرْعَھُمْ،الَّا أَنْ یَکُونُـوا یَفْعَلُونَ ذَلِـکَ فِی بِلَادِنَـا،فَیُفْعَـلُ ذَلِـکَ بِھِمْ لِیَنْتَھُـوا . ... فَھَذَا یَجُوزُ،بِغَیْرِ خِلَافٍ نَعْلَمُہُ‘‘۔

’’کفــار کے درخت نہیں کــاٹنے چــاہئے ،نہ ان کی فصلیں جلانی چاہئے ،جب تک وہ ہمـاری زمینـوں میں یہ نہ کریں،اور اگـر وہ ہمـارے شـہروں میں ایسـا کـریں تـو ہمیں بھی ان کے سـاتھ ایسـا ہی کرنا چاہیے ،تـاکہ ان کـو روکـا جاسـکے.........اس کی اجازت ہے بغیر کسی اختلاف کے جس کـو ہم جانتے ہوں ‘‘

(المغنی،ج۲۱،ص۱۱۰،مسئلة:۷۵۸۴)

شیخ ناصر بن فہد فک اللہ اسرہ فرماتے ہیں نائن الیون کے واقعے کے حوالے سے ''معاملہ بالمثل ''پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اگر وہ سب مظالم جو امریکہ پچھلی کئی دہائیوں سے مسلمانوں پرتوڑرہا ہے،ہماری نگاہوں کے سامنے رہیں تو اس نتیجے تک پہنچتے دیر نہیں لگتی کہ امریکہ پر عام تباہی مسلط کرنے کیلئے محض ''معاملہ بالمثل''(یعنی: زیادتی کے برابربدلہ لینے) کا اصول ہی بطور دلیل کافی ہے، مزید دلائل کی ضرورت نہیں.........!بعض بھائیوں نے امریکی اسلحے سے، بالواسطہ یا بلا واسطہ مارے جانے والے مسلمانوں کے اعداد و شمار جمع کئے ہیں، یہ تعداد تقریباً ایک کروڑتک پہنچتی ہے۔جب کہ امریکی بموں، میزائیلوں اور گولہ بارود سے بھسم ہونے والی مسلمانوں کی اراضی کا ٹھیک سے احاطہ کرنا تو اللہ کے سوا کسی کے لئے ممکن نہیں۔ افغانستان اور عراق میں امریکہ نے جو تباہی پھیلائی اس کا حال بھی ہمارے سامنے ہی ہے۔اس کے علاوہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد وہ بھی ہے جو امریکی حملوں کے نتیجے میں اپنے گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہوئی.........چنانچہ اگر امریکیوں پر کوئی ایسا بم گرایا جائے جس سے ان کے ایک کروڑ لوگ مارے جائیں اور ان کی اتنی ہی زمینیں جل کر راکھ ہو جائیں جتنی انہوں نے مسلمانوں کی جلائیں، تو ایسا کرنا بالکل جائز ہو گا اور اس کے جواز کے لئے ''معاملہ بالمثل ''کے علاوہ مزید کوئی دلیل درکار نہیں۔ اضافی دلائل کی ضرورت تو تب پڑے گی اگر ہم اس تعداد سے زیادہ امریکی مارنا چاہیں!''

(’’حکم استخدام أسلحۃ الدمار الشامل ضد الکفار
‘‘باب دوم للشیخ ناصر بن فهد)

باب سوم

شبہات اور ان کا جواب

پہلا شبہ

چند کفار کی جرائم کی سزاان کی پوری قوم سے لینا

کچھ لوگوں کی طرف سے یہ شبہ پیدا کیا جاتا ہے کہ :

’’ تم لوگ ان کفارکی عورتوں اور بچوں کو کیسے قتل کرسکتے ہو کہ جنہوں نے یہ کام مسلمانوں کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ کیا ہو؟ تم اس شخص سے انتقام کیونکر لے سکتے ہو کہ جس نے یہ کام کیا ہی نہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:﴿وَلا تَـزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾(الاسراء :۱۵)’’اور کوئی گناہ کا بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا‘‘۔

جواب:

سب سے پہلے مذکورہ بالا شبہے میں دلیل کے طور پر پیش کی جانے والی آیت کے بارے میں سمجھ لینا ضروری ہے کہ اس آیت کا اصل محل و مقام کیا ہے؟
امام ابن کثیرؒ اس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں :

’’اخبار عن الواقع یوم القیامة فی جزاء اللّٰہ تعالی وحکمہ وعدلہ،أن النفوس انما تجازی بأعمالها‘‘

’’اور یہ آیت ہمیں بتا رہی ہے کہ یہ اُس صورتِ حال کے حوالے سے جو آخرت کے دن ہوگی،اللہ کے بدلے کے متعلق اور اس کے فیصلے اور انصاف (کے متعلق)کہ جانوں کو اجر (اچھایا برا)ان کے عمل کی بنیاد پر دیا جائے گا ‘‘۔

(تفسیر ابن کثیر،ج۳،ص۳۸۴)

اورامام قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’ویحتمل أن یکون المراد بهذہ الآیة فی الآخرة،وکذلک التی قبلها، فأما التی فی الدنیا فقد یؤاخذ فیها بعضهم بجرم بعض،لا سیما اذا لم ینہ الطائعون العاصین‘‘

’’یہ بات طے شدہ ہے کہ یہ آیت آخرت سے متعلق ہے جیسا کہ اس سے پہلے والی آیت مگر جہاں تک اس دنیا کی بات ہے تو یقینا کچھ لوگوں کودوسروں کے جرائم کی سزا بھی ملتی ہے خاص طور پر اگر نیک لوگ فاسق لوگوں کو نہیں روکتے‘‘۔

(تفسیر القرطبی،ج۷،ص۱۵۷)

چنانچہ امام المجاہدین شیخ یوسف العیری ؒ درج بالا شبہ کا بڑ ی خوبصورتی سے رد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’وهذا الايراد باطل و ينتقض حتى لو قلناه على المقاتلة فكيف يقاتل النبى ﷺ مقاتلة قريش والذى نقض العهد هم بنى بكر بن وائل أو قادة قريش؟ وكيف يقتل النبى ﷺ رجال وشيوخ وأجراء بنى قريظة وهم لم ينقضوا العهد بل نقضه كبراؤهم وأهل الرأى منهم فقتل بجريرتهم سبعمائة نفس،واسترق من بقى؟ وأيضاً كيف يجيز العلماء المثلة مطلقاً برجال العدو ولم يشترطوا أن تكون المثلة بالفاعل؟ولو أن رجلاً قتل آخر فلماذا تتحمل عاقلته الدية ويغرمون والذى ارتكب الجناية فرد منهم وهم لم يشاركوه ورغم ذلک تحملوا جريرته؟ وفى مسألة القسامة أيضاً كيف يجيز الشرع لخمسين رجلاً من أولياء المقتول الذين لم يشهدوا القتل،على أن يقسموا على رجل مشتبه به بأنه قتل وليهم ثم يدفع لهم برمته ليقتلوه ؟كيف يُقتل فى هذه الحالة والادانة هنا لم تكن مؤكدة بالطبع كما هى فى حالة الاقرار أو الشهود ؟‘‘

’’یہ شبہ باطل اور غلط ہے حتی کہ اگرچہ ہم اسے جنگجوؤں پر ہی لاگو کریں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے جنگجوؤں سے لڑتے تھے جبکہ جنہوں نے معاہدہ توڑا تھا وہ تو بنی بکربن وائل یاقریش کے سردار تھے،اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی قریظہ کے مردوں، بوڑھوں اور ان کے مزدوروں سے لڑتے تھے جبکہ انہوں نے تو معاہدہ نہیں توڑاتھا بلکہ اُن کے بڑوں اور ان کے اہل رائے لوگوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی تھی لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جرم کی وجہ سے سات سوجانوں کو قتل کیا اور جو بچ گئے انہیں غلام بنالیا۔ اسی طرح علماء

دشمن کے لوگوں کا مُثلہ کرنے کو مطلق طور پر جائز قراردیتے ہیں اور اس کے ساتھ یہ شرط نہیں لگاتے کہ مثلہ صرف فاعل کا کیا جائے گا۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی کسی دوسرے شخص کو قتل کردیتا ہے تو اس کا خاندان اس کی جانب سے دیت کا بوجھ کیوں اٹھاتا ہے اور اُن پر جرمانہ کیوں عائد کیا جاتا ہے جبکہ جس نے جرم کا ارتکاب کیا وہ تو اُن میں سے ایک فرد تھا اور وہ اس کے ساتھ شامل بھی نہ ہوئے تھے مگر اس کے باوجود اس کے جرم کی سزابھگت رہے ہیں؟اور اسی طرح قسم اٹھانے کے مسئلے میں بھی شرکت نے مقتول کے ورثاء میں سے ایسے پچاس لوگوں کے لیے کہ جنہوں نے قتل دیکھا بھی نہیں ،جائز قراردیا کہ وہ ایک مشتبہ آدمی کے بارے میں قسم اٹھائیں کہ اس نے ان کے آدمی کو قتل کیا ہے پھر اسے ان کے حوالے کردیا جاتا ہے تاکہ وہ اسے قتل کردیں اس حالت میں کہ جبکہ یہاں تہمت یقینی نہیں تھی جیساکہ اقرار(جرم)یا گواہوں کی موجودگی میں ہوتا ہے‘‘۔

(حقیقة الحرب الصلیبیة الجدیدة،ص۲۵)

پھر شیخ یوسف العیری ؒایک حدیث کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’وجاء فی الصحیحین کذلک من رافع بن خدیج رضی اللّٰہ عنہ قال کنا مع النبیﷺبذی الحلیفة من تھامة فأصبنا غنما وابلا فعجل القوم فأغلوا بھا القدورفجاءرسول اللّٰہ ﷺ ((فأمربھافأکفئت))، فکیف یعاقب الرسولﷺ ھؤلاء باتلاف اللحم وھو من الغنائم التی لم تقسم بعد وللجیش جمیعاً حق فیہ،والذی اعتدی ھم الذین أغلوا بھا القدور

فقط،فلم تکون العقوبة جماعیة ؟قال ابن حجر فی الفتح ''وحمل البخاری الاکفاء علی العقوبة بالمال وان کان ذلک المال لا یختص بأولئک الذین ذبحوا ،لکن لما تعلق بہ طمعھم ،کانت النکایة حاصلة لھم ''.

'' اور صحیحین میں رافع ابن ِ خدیج کی حدیث میں واقعہ آیا ہے کہ ''ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ تھے ذی الحلیفہ التہامہ میں جب ہمیں(کفارکے) کچھ بکرے اور اونٹ ملے تو لوگوں نے جلدی سے(ذبح کرکے)انہیں اپنی دیگچیوں میں پکالیا ،تو رسول ﷺآئے اور حکم دیا کہ ان کو الٹادیا جائے ''تو کیسے رسول ﷺنے سزا دی ان کو گوشت کو ضائع کر کے جب کہ یہ مال ِ غنیمت میں سے تھا جو اب تک تقسیم نہیں ہوا تھا ، جبکہ پورے لشکر پر اس کا حق تھا ،اور زیادتی صرف انہوں نے کی جنہوں نے اسے دیگچیوں میں پکا لیا،آخر سزا اجتماعی کیو ں دی گئی؟امام ابن حجرؒ الفتح میں فرماتے ہیں:''اورامام بخاری دیگیں الٹانے کو ایک مالی سزا سمجھتے تھے کیونکہ اس مال (پر)صرف ذبح کرنے والوں کا حق نہیں تھا(بلکہ بقیہ مسلمانوں کا بھی تھا)مگر جب ان کی ہوس اس سے جڑ گئی تو پھر سزا ان کو ملی ''۔

(حقیقة الحرب الصلیبیة الجدیدة،ص۲۵)

''وأیضاً یرد علی الایراد المتقدم بعموم قول اللہ تعالی﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لاتصیبن الَّذِینَ ظَلَمُوا مِنْکُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّہَ شَدِیدُ الْعِقَابِ﴾وقولہ﴿وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا﴾و الشریعة جاءت بمثل ھذہ العقوبات لمثل تلک الحالات من

الجرائم ،لأن ہذہ الجرائم التی حمل الشارع عقوبتها غیر الجناة ہی معاص تعتبر جماعیة بامکان الجماعة اذا علموا أنهم سیعاقبون بها أن یجبروا الجانی علی أن یکف عن ذلک ،لذا جاء ت الشریعة بعقاب الجماعة من أجل الفرد،حثاً للجماعة وتحریضاً لهم علی أن یأخذوا علی ید الجانی قبل أن یفعل ذلک واللہ أعلم‘‘۔

’’اسی طرح مذکورہ بالا شبہ کا ردّ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی عمومیت سے بھی ہوتا ہے کہ:’’اور اس فتنہ سے بچ جاؤ جو صرف انہی لوگوں کے لیے مخصوص نہ ہوگا جنہوں نے تم میں سے ظلم کیا ہو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے‘‘۔(الانفال)اوراس کا یہ فرمان کہ:’’اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کرلیتے ہیں تو وہاں کے عیش پرستوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں بدکرداریاں کرنے لگتے ہیں پھر اسی بستی پر عذاب کی بات صادق آجاتی ہے تو ہم اسے برباد کردیتے ہیں‘‘۔ (الاسراء)شریعت نے جرائم کی مذکورہ بالا حالتوں کی یہ سزائیں رکھی ہیں اس لیے کہ شریعت نے جرائم کی سزا ان کے غیر مرتکب افراد کے لیے رکھی ہیں کیونکہ یہ اجتماعی معصیتیں شمار کی جاتیں ہیں کیونکہ یہ جماعتیں اگر جان لیتیں کہ انہیں بھی اس کی سزا ملے گی تو وہ جرم کا ارتکاب کرنے والے کو اس فعل سے باز رہنے پر مجبور کرتیں۔ اسی لیے شریعت نے فرد کی سزا جماعت کودی تاکہ جماعت کو مجرم کے فعل سے پہلے اس کا ہاتھ پکڑنے پر ابھاراجائے۔ واللہ اعلم‘‘۔

(حقیقة الحرب الصلیبیة الجدیدة،ص۲۵)

اور یہ بات رسول اللہ ﷺ کے عمل سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے مجرم قبیلے کے حلیف قبیلے کے فرد کو بھی مجرم تصور کیا تھا۔ اس کی مزید تائید عمران ابن حصین سے مروی روایت ہے:

((عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَتْ ثَقِيفُ حُلَفَاءَ لِبَنِى عُقَيْلٍ فَأَسَرَتْ ثَقِيفُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسَرَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مِنْ بَنِي عُقَيْلٍ وَأَصَابُوا مَعَهُ الْعَضْبَاءَ فَأَتَى عَلَيْهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِى الْوَثَاقِ قَالَ يَا مُحَمَّدُ فَأَتَاهُ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ فَقَالَ بِمَ أَخَذْتَنِى وَبِمَ أَخَذْتَ سَابِقَةَ الْحَاجِّ فَقَالَ اِعْظَامًا لِذَلِكَ أَخَذْتُكَ بِجَرِيرَةِ حُلَفَائِكَ ثَقِيفَ ثُمَّ انْصَرَفَ عَنْهُ فَنَادَاهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ يَامُحَمَّدُ وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيمًا رَقِيقًا فَرَجَعَ اِلَيْهِ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ اِنِّى مُسْلِمٌ قَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَأَنْتَ تَمْلِكُ أَمْرَكَ أَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَادَاهُ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَأَتَاهُ فَقَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ اِنِّى جَائِعٌ فَأَطْعِمْنِى وَظَمْآنُ فَأَسْقِنِى قَالَ هَذِهِ حَاجَتُكَ فَفُدِىَ بِالرَّجُلَيْنِ))

’’حضرت عمران بن حصین ؓ سے روایت ہے کہ (طائف کا قبیلہ)ثقیف ،بنو عقیل کے حلیف (اتحادی)تھے۔ ثقیف نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب میں سے دو آدمیوں کو قید کرلیاتو اصحاب رسول اللہ ﷺ نے بنی عقیل کے ایک آدمی قید کرلیا اور اس کے ساتھ عضباء اونٹی کو بھی گرفتار کرلیا۔ رسول اللہ ﷺ اس قید کئے گئے شخص کے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ وہ بندھا ہوا تھا۔ اس نے کہا اے محمد !آپ ﷺ اس کے پاس آئے اور اس سے کہا کیا بات ہے؟تو اس نے عرض کیا آپ ﷺ نے مجھے کیوں پکڑا ہے اور کس وجہ سے حاجیوں پر سبقت لے جانے والی (اونٹنی)کو گرفتار

کیا ہے؟تو آپ ﷺ نے فرمایا :’’اس بڑے قصور کی وجہ سے میں نے تمہیں تمہارے حلیف قبیلہ ثقیف کے بدلے گرفتار کیا ہے۔پھرآپ ﷺ اس سے جدا ہونے لگے تو اس نے آپ ﷺکو اے محمد !اے محمد ! کہہ کرپکارا اور رسول اللہ ﷺ مہربان اور نرم دل تھے،لہٰذا آپ اس کی طرف لوٹے تو پھر فرمایا کہ کیا بات ہے؟ تو اس نے کہا :’میں مسلمان ہوں‘‘۔ آپ ﷺ نے فرمایا :’’کاش !تم یہ بات اس وقت کہتے جب تم اپنے معاملے کے مکمل طور پر مالک تھے ،اگر ایسا ہوتا تو تم پوری کامیابی حاصل کرلیتے‘‘یہ کہہ کر آپ ﷺ پھر پلٹنے لگے تو اس نے آپ ﷺکو اے محمد ! اے محمد!کہہ کر پکارا،آپ ﷺ اس کے پاس آئے اور فرمایا کہ کیا بات ہے؟تو اس نے کہا میں بھوکا ہوں مجھے کھلائیے اور میں پیاسا ہوں مجھے پلائیے ،تو آپ ﷺ نے فرمایا :’’یہ تمہاری حاجت و ضرورت ہے یعنی اسے کھلایا اور پلایا ،پھر اسے ان دو آدمیوں کا فدیہ بنایا گیا (جنہیں ثقیف نے گرفتار کیا تھا)‘‘۔

(صحیح مسلم،ج۸،ص۴۲۶،رقم الحدیث:۳۰۹۹)

درج بالا حدیث میں مندرجہ ذیل نکات قابل غور ہیں :

(۱) کفار کے ایک قبیلے نے دومسلمانوں کو قید کرلیا۔

(۲) صحابہ نے بدلے میں اغوا کرنے والے قبیلے کے حلیف کے ایک فرد کو قید کرلیا۔

(۳) اللہ کے رسول ﷺ فرمایا ’’میں نے تمہیں تمہارے قبیلے کے حلیف (اتحادی) کے جرم کی بنا پرقید کیا ہے‘‘۔

(۴) اور یہ بات تو واضح ہے ہی کہ وہ کافر مرد کسی جرم کا قصوروار نہیں تھا۔

(۵) اور نہ ہی جرم والا عمل اس کے قبیلے (بنو عقیل) کا تھا جس سے اس کا تعلق تھا۔

(۶) جرم بنو ثقیف کا تھاجو کہ حلیف(اتحادی) تھے اُس قبیلے کے جس سے اِس شخص کا تعلق تھا ۔

شیخ یوسف العیریؒ اس حدیث کی پر وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اور رسول اللہ ﷺ یہ عمل کرکے کوئی زیادتی نہیں کررہے تھے کیونکہ جنگ کی صورت میں ایسے افعال ضرورت بن جاتے ہیں تاکہ اہلِ اسلام کی حفاظت ممکن بنائی جاسکے ،اور یہ ممکن ہی نہیں کہ مسلمانوں کی عزت کی حفاظت کی جاسکے بجز اس کے کہ ایسے افعال کئے جائیں‘‘۔

(التبیان فی استھداف النساء والصبیان،ص۱۰۵)

شیخ علی الخذیر فک اللہ اسرہ اس حدیث کے نتائج کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

’’ہم (اور علماء)اس حدیث کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر مجرمین کا تعلق ایک گروہ سے ہویا طائفہ ممتنعہ سے یا کوئی ایسا ملک ہو جو کہ ملوث ہو ں (مسلمانوں سے جنگ کرنے میں)تو یہ جائز ہے کہ ان میں سے جو مجرم نہ ہو ان کوبھی سزا دی جاسکے ان جرائم کی بناء پر جو ان کے دیگر لوگوں نے کیا ہو،اور ہم کہتے ہیں کہ

اگر یہ کام نہ ہوتا تو جہاد ناکام ہوجاتا اور دشمنانِ دین کو غلبہ حاصل ہوجاتا‘‘۔

(التبیان فی استهداف النساء والصبیان،ص۱۰۵)

یاد رہے کہ ایسا فعل صرف کافروں کے ساتھ کرنا جائز ہے۔باقی رہے کہ وہ ممالک اسلامیہ جہاں بدقسمتی سے طواغیت کی حکمرانی ہے جوکہ کفار کے اتحادی ہی نہیں بلکہ خطِ اوّل کے سپاہی بنے ہوئے ہیں لہٰذاان طواغیت کے لشکروں اور ان سے متعلقہ معاونین کے ساتھ ایسا کرنا جائز ہے مگر عام مسلمان ایسے فعل سے مستثنیٰ ہوں گے سوائے اس کے جس کے بارے میں ثابت ہوجائے کہ وہ بھی انہی طواغیت کے انصار واعوان میں سے ہے۔واللہ اعلم

دوسرا شبہ

کفار کو دعوت پہنچائے بغیر ان پر عام حملہ کرنا

کچھ لوگوں کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتاہے کہ

’’ٹھیک ہے کہ کفار کی جان ومال اور عزت کی کوئی حرمت نہیں لیکن ان پر عام حملہ کرنے اور ان پر تباہی مسلط کرنے سے پہلے ان پر اسلام کی دعوت کا پہنچانا ضروری ہے ورنہ اس کے بغیر ایسے افعال کی شریعت میں اجازت نہیں‘‘

اس کی دلیل میں وہ احادیث پیش کی جاتی ہیں جس میں رسول اللہﷺنے صحابہ کرامؓ کو کفار پر چڑھائی کرنے سے پہلے ان کو اسلام کی دعوت پیش کرنے کا حکم دیا اور اس کے بغیر حملہ کرنے کی ممانعت

کی۔جیساکہ صحیح مسلم کی ایک طویل حدیث میں آتاہے کہ:

((وَاِذَا لَقِیتَ عَدُوَّکَ مِنْ الْمُشْرِکِینَ فَادْعُهُمْ اِلَی ثَلَاثِ خِصَالٍ أَوْ خِلَالٍ فَأَیَّتُهُنَّ مَا أَجَابُوکَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَکُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ اِلَی الْاِسْلَامِ فَاِنْ أَجَابُوکَ فَاقْبَلْ مِنْهُمْ وَکُفَّ عَنْهُمْ))

’’جب تمہار اپنے دشمن مشرکوں سے مقابلہ ہوجائے تو ان کو تین باتوں کی دعوت دینا ،وہ ان میں سے جس کو بھی قبول کرلیں تو ان سے جنگ سے رک جانا ،اوّل ان کو اسلام کی دعوت دو ،اگر وہ اسلام قبول کرلیں تو ان سے جنگ نہ کرنا ‘‘۔

(صحیح مسلم،ج۹،۱۵۰،رقم الحدیث:۳۲۶۱)

پھر رسول اللہ ﷺنے دوسری صورت یہ بتائی کہ ان کو جزیہ کی دعوت دینا اور اگر وہ بھی قبل نہ کریں تو پھر ان سے جنگ کرنا۔

جواب:اس ضمن میں سب سے پہلے یہ بات سمجھنے کی ہے کہ کفار کے سامنے دین اسلام کی دعوت پیش کرنے کے حوالے سے پہلی صورت یہ ہے کہ ’’اقدامی جہاد‘‘ہو یعنی مسلمان کفار پر حملہ آور ہوں تو اس صورت میں کفار کے سامنے دین اسلام کی دعوت پیش کرنا واجب ہے جبکہ ان تک یہ دعوت کسی بھی ذریعے سے نہ پہنچی ہواور اگر یہ دعوت پہنچ گئی ہوتو پھر یہ دعوت دینا مستحب ہے،یعنی پسندیدہ ہے اور چھوڑنے پر گناہ نہیں۔امام ابوحنیفہؒفرماتے ہیں:

’’اگر ان کفارتک اسلام کی دعوت بالکل نہیں پہنچی ہے تو امیر الحرب کے لئے ان سے لڑنا مناسب نہیں ہے اور اگر ان کو اسلام کی دعوت

پہنچی ہے تو پھر امیر الحرب کے لئے مستحب ہے
کہ لڑائی سے پہلے ان کو دعوتِ اسلام دے ورنہ
جزیہ کی ادائیگی کا کہے۔تاہم اگر واجب دعوت
سے پہلے پہلے کسی نے کسی کافر کو قتل کردیا
تو نہ دیت ہے اور نہ قصاص ‘‘ ۔

(رحمة الامت فی اختلاف الائمة،ص:۲۹۳)

جیساکہ یہ بات واضح ہوچکی ہے کہ ’’اقدامی جہاد
‘‘میں کفار تک اگردعوت پہنچی چکی ہوتو ان کو
دوبارہ دعوت دینا گوکہ مستحب ہے لیکن اگر اس
دعوت دینے میں جنگی حکمت عملی کے تحت مسلمانوں
کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتو پھر دعوت نہیں دی
جائے گی ۔چناچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ’’در
مختار ‘‘سمیت دیگر کتابوں میں یہ مسئلہ واضح طور پر
لکھا ہے کہ :

’’(فان حاصرناهم دعوناهم الی الاسلام فان
أسلموا)فبها (والا فالی الجزیة)لو محلا لها کما
سیجئی (فان قبلوا ذلک فلهم ما لنا)من الانصاف
(وعلیهم ما علینا)من الانتصاف......(وندعو ندبا
من بلغته الا اذا تضمن ذلک ضررا)ولو بغلبة
الظن،کأن یستعدون أو یتحصنون فلا یفعل
فتح(والا)یقبلوا الجزیة(نستعین باللّٰه ونحاربهم
بنصب المجانیق وحرقهم وغرقهم وقطع
أشجارهم)‘‘۔

’’اگر ہم نے کفار کا محاصر کرلیا ہوتو ہم ان کو
پہلے اسلام کی طرف بلائیں گے۔اگر انہوں نے
اسلام قبول کرلیا تو بہت اچھا ورنہ پھر جزیہ دینے
کی طرف بلائیں گے ۔اگر انہوں نے اس کو قبول
کرلیا تو پھر ہم اور وہ قانون اسلام اور قانون
انصاف کے سامنے یکساں ہوں گے.........اورجن

کفار تـک اسـلام کی دعـوت نہ پہنچی ہو ان سـے قبل از دعـوت لڑنـا جـائز نہیں ہے۔ لیکن جن کفـار تـک دعـوت پہنچی ہو تـو ان کـو پھـر دعـوت دینـا مســتحب ہے۔ ہاں اگــر اس دعــوت میں جنگی حکمت عملی کے تحت ہمیں نقصــان پہنچــنے کـا اندیشہ ہو توپھر دعـوت نہیں دی جـائے گی ۔اگـر کفار نے جزیہ قبول کرنے سے بھی انکـار کردیـا تـو پھــر ہم اللہ کـا نـام لے کـر ان سـے لـڑیں گے ۔ منجنیق سـے ان پـر گـولہ بـاری کـریں گے،آگ سـے انہیں جلائیں گے یـــا پـــانی میں ڈبـــوئیں گے اور ضرورت پڑنے پر ان کے باغات اور کھیتوں کــو بھی تباہ کردیں گے‘‘۔

(در المختار،ج۴،ص۳۰۵)

اســی طــرح فقہ حنفی کی مشــہور کتــاب ’’ہدایہ ‘‘میں یہ بات مذکور ہے کہ:

’’(وَلَا يَجُــوزُ أَنْ يُقَاتِــلَ مَنْ لَمْ تَبْلُغْــ الــدَّعْوَةُ الَى الْاِسْلَامِ الَّا أَنْ يَدْعُوُ)لِقَوْلِ عَلَيْ الصَّـلَاةُ وَالسَّـلَامُ فِى وَصِيَّةِ أَمَرَاءِ الْأَجْنَادِ(فَـادْعُهُمْ الَى شَهَادَة أَنْ لَا الَہَ الَّا اللَّــ)وَلِأَ نَّهُمْ بِالـدَّعْوَةِ يَعْلَمُـونَ أَنَّا نُقَـاتِلُهُمْ عَلَى الــدِّينِ لَا عَلَى سَــلْبِ الْأَ مْــوَالِ وَسَــبْيِ الــذَّرَارِيِّ فَلَعَلَّهُمْ يُجِيبُونَ فَنُكْفَى مُؤْنَةُ الْقِتَالِ،وَلَوْ قَاتَلَهُمْ قَبْلَ الـدَّعْوَةِ أَثِمَ لِلنَّهْيِ،وَلَا غَرَامَةَ لِعَـدَمِ الْعَاصِـمِ وَهُـوَ الــدِّينُ أَوْ الْاِحْـرَازُ بِالــدَّارِ فَصَــارَ كَقَتْــلِ النِّسْــوَانِ وَالصِّـــــبْيَانِ(وَيُسْــــتَحَبُّ أَنْ يَـــــدْعُوَ مَنْ بَلَغَتْــ الدَّعْوَةُ)مُبَالَغَةً فِى الْاِنْذَارِ ،وَلَا يَجِبُ ذَلِکَ لِأَ نَّــ صَحَّ (أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْ الصَّــلَاةُ وَالسَّــلَامُ أَغَــارَ عَلَى بَنِى الْمُصْطَلِقِ وَهُمْ غَارُّونَ)‘‘۔

''جس شخص کو اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو دعوت دینے سے پہلے اس سے لڑنا جائز نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ اپنے فوجی کمانڈروں کو یہ وصیت فرمایا کرتے تھے کہ ''ان کفار کو پہلے کلمۂ شہادت کی دعوت دیا کرو''اور اگر ان کو دعوت پہنچی ہے تو پھر دعوت دینا مستحب ہے کہ دعوت دینے میں خوب مبالغہ ہوجائے لیکن یہ دعوت واجب نہیں ہوگی کیونکہ نبی کریم ﷺ کی یہ صحیح حدیث ہے کہ آپ نے بنی مصطلق پر اس طرح چھاپہ مارکر حملہ بول دیا تھا کہ وہ لوگ بالکل بے خبر تھے اور اسی طرح آپ نے اسامہ بن زیدt کو حکم دیا تھا کہ صبح سویرے علاقے ''ابنی''کے لوگوں پر چھاپہ مار کاروائی کرو اور پھر علاقے میں آگ لگادو (ظاہر ہے) کہ چھاپہ مارکر غارتگری کی کاروائی دعوت کے ساتھ نہیں ہوسکتی ہے''۔

(العناية شرح الهداية،ج۷،ص۴۴۳)

یہ بات بھی واضح رہے کہ کفار تک دعوت اسلام پہنچنے کا مطلب کیا ہے اور اس کا معیار کیا ہے؟فقہاء نے اس کو یوں واضح کیا ہے:

''بُلُوغُ الدَّعْوَةِ حَقِيقَةً أَوْ حُكْمًا بِأَنْ اسْتَفَاضَ شَرْقًا وَغَرْبًا أَنَّهُمْ الَى مَاذَا يَدْعُونَ وَعَلَى مَاذَا يُقَاتِلُونَ فَأُقِيمَ ظُهُورُهَا مَقَامَهَا انْتَهَى ''

''دعوت پہنچنا دو قسم پر ہے ،حقیقتاً یا حکماً، اور حکماً اس طرح ہوتا ہے کہ مغرب و مشرق میں مشہوراور عام ہوجائے کہ یہ مسلمان کس چیز کی طرف بلاتے ہیں اور کس چیز پر ''لڑتے ''ہیں ۔چنانچہ اس ظاہری شہرت کو حقیقت کا قائم مقام سمجھا جائے گا''۔

(فتح القدیر،ج:۱۲ص:۳۹۴)

اسی لئے امام ابن حجرؒامام مالک ؒکا یہ قول نقل فرماتے ہیں :

’’قَالَ مَالِک:مَنْ قَرُبَتْ دَارُہ قُوتِلَ بِغَیْرِ دَعْوَۃ لِاشْتِہَارِ الْاِسْلَامِ وَمَنْ بَعُدَتْ دَارُہ فَالدَّعْوَۃُ أَقْطَعُ لِلشَّکِّ‘‘

’’جن کفار کے گھر ہمارے قریب ہو تو ان کو ’’دعوت اسلام‘‘دینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ بوجہ پڑوسی کے دعوت الی الاسلام کو جانتے ہیں (مگر مانتے نہیں)۔اس لئے ان کے ساتھ لڑائی لڑی جائے گی اور ان کی غفلت کا انتظار نہیں کیاجائے گا ،اور جن کے گھر ہم سے دور ہوں تو ان کو دعوت دینا ضروری ہے تاکہ شک و شبہ دور ہوجائے‘‘۔

(فتح الباری،ج۹،ص۱۰۹)

اسی لئے بعض فقہاء کے نزدیک اب کافروں کو’’اقدامی جہاد ‘‘سے پہلے دین اسلام کی طرف دعوت دینا ضروری ہی نہیں سمجھتے۔امام شافعیؒفرماتے ہیں :

’’ میں آج کسی مشرک کو ایسا نہیں پاتا کہ اس کو کسی نے کسی طریقے سے اسلام کی دعوت نہ پہنچی ہو۔ ہاں ممکن ہے کہ مملکت ترکیہ کے پیچھے کچھ مشرک قومیں ہو ں یا خزر (چیچنیا)کے پیچھے کچھ ایسے لوگ ہوں جن تک دعوت نہ پہنچی ہو تو ان لوگوں سے اگر لڑائی لڑنی ہوتو دعوت اسلام سے پہلے لڑائی نہیں ہونی چاہیے‘‘۔

(رحمة الامت فی اختلاف الائمة،ص:۲۹۳)

امام ترمذی ؒایک حدیث کی شرح میں’’دعوت‘‘ کے حوالے سے سلف کے اقوال یوں نقل کرتے ہیں:

’’و قَالَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ لَا دَعْوَةَ الْيَوْمَ و قَالَ أَحْمَدُ لَا أَعْرِفُ الْيَوْمَ أَحَدًا يُدْعَى ‘‘

’’ اور بعض اہل علم یہ کہتے ہیں کہ آج دعوت کی ضرورت نہیں اور امام احمد بن حنبلؒفرماتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ آج کل کسی(کافر)کو دعوت دینا ضروری ہے‘‘۔

(سنن الترمذی،ج:۶،ص:۳۷،رقم الحدیث:۱۴۶۸)

یہ ہیں وہ احکامات جو کہ ’’اقدامی جہاد ‘‘کی صورت میں دعوت الی الاسلام کے لئے شریعت نے واضح کئے۔

چنانچہ غور کرنے کی بات ہے جب ’’اقدامی جہاد ‘‘کے دوران مسلمانوں کے کسی نقصان کے اندیشے یا جنگی حکمت عملی کی بناء پر کفار کو دوبارہ دعوت دینے سے منع کیا گیا ہو تو پھر کیسے مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوجائے گا کہ وہ ’’دفاعی جہاد‘‘کے دوران کفار کو دعوت دیں جبکہ ایک طرف کفار مسلمانوں کا قتل عام کررہے ہوں اور مسلمانوں کی املاک برباد کررہے ہوں اور دوسری طرف فقہاء کرام اس بات کی سراحت کرچکے ہوں کہ اب کفار کو دعوت دینا ضروری نہیں ہے۔اگر کوئی دعوت دیتا ہے تو مستحب ہے لیکن نہ دینے والے پر کوئی گناہ نہیں۔

لیکن اس کے باوجود کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ایسے کفار موجود ہیں جن تک اسلام کی دعوت نہیں پہنچی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسی صورت

میں بھی ،جوکہ خارج از امکان ہے ،اگر کوئی کافر قتل ہوجائے تو پھر بھی حملہ آور مسلمان پر کوئی قصاص و کفارہ نہیں ہےجیساکہ ہم شروع میں امام ابوحنیفہؒ کا قول پڑھ آئے کہ:

’’تاہم اگر واجب دعوت سے پہلے پہلے کسی نے کسی کافر کو قتل کردیا تو نہ دیت ہے اور نہ قصاص ‘‘ ۔

لیکن جب کفارمسلمانوں پر حملہ آور ہوجائیں،تو فقہاء کرام کے نزدیک یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ:

’’وَاِنْ هَجَمُوْاعَلَيْنَا سَقَطَتِ الدَّعْوَةُ‘‘

’’ اگر کفار نے ہم پر چڑھائی کر کے ھلہ بول دیا تو دعوت ساقط ہوجائے گی‘‘۔

(الکوکب الدری شرح ترمذی صفحہ۴۱۳،از مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

’’قَالَ الشَّافِعِیُّ لَا يُقَاتَلُ الْعَدُوُّ حَتَّى يُدْعَوْا اِلَّا أَنْ يَعْجَلُوا عَنْ ذَلِکَ فَاِنْ لَمْ يَفْعَلْ فَقَدْ بَلَغَتْهُمْ الدَّعْوَةُ‘‘

’’امام شافعی فرماتے ہیں کہ دشمن کو اسلام کی دعوت دینے سے پہلے جنگ نہ لڑی جائے مگر یہ کہ وہ خود ابتداء کردیں اوراس صورت میں اگر انہیں دعوت نہ دی گئی توحقیقت یہ ہے کہ انہیں پہلے ہی دعوت اسلام پہنچ چکی ہے‘‘۔

(سنن الترمذی،ج:۶،ص:۳۷،رقم الحدیث:۱۴۶۸)

تیسرا شبہ

اگـــــردار الحـــــرب میں کفـــــارکی عـــــورتیں اور بچے بے قصـــــو ربھی مارے جائیں تواس کاشرعی حکم

کچھ لوگوں کـا یہ اعـتراض ہوتـا ہے کہ شـریعت میں کفار کی عورتوں اور بچوں بے قصور مـارنے کی ممـانعت تـو بحـر حـال وارد ہوئی ہے لہذا دار الحـرب میں عـام حملے کـــرنے کی صـــورت میں بعض اوقـــات کفـــار کی عورتیںاور بچے بے قصـور مـارے جـاتے ہیں چنانچہ ایسـی کسـی بھی صـورت میں جب کفـار کی عـورتیں اور بچے مارے جائیں تو اس کا وبال کس پر ہوگـا اور ایسـا کـرنے والا تو بحر حال قابل گرفت ہے؟

جواب:

امام سرخسی الحنفیؒوضاحت کرتے ہیں:

’’وَمَنْ قَتَلَ أَحَدًا مِنْ هَـؤُلَاءِ قَبْـلَ وُجُـودِ الْقِتَـالِ مِنْـہُ فَلَا كَفَّارَةَ عَلَيْہِ وَلَا دِيَـــةَ .لِأَنَّ وُجُوبَهُمَـــا بِاعْتِبَـــارِ الْعِصْـــمَةِ وَالتَّقَـــوُّمِ فِی الْمَحَـــلِّ،وَذَلِـــکَ بِالـــدَّيْنِ أَوْ بِالـــدَّارِ،وَلَمْ يُوجَـدْ وَاحِـدٌ مِنْهُمَـا،وَإِنَّمَـا حَـرُمَ قَتْلُهُمْ لِتَوْفِـيرِ الْمَنْفَعَـةِ عَلَى الْمُسْـلِمِينَ،أَوْ لِانْعِـدَامِ الْعِلَّةِ الْمُوجِبَةِ لِلْقَتْلِ ،وَهِیَ الْمُحَارَبَـةُ،لَا لِوُجُـودِ عَاصِـمٍ أَوْ مُقَوِّمٍ فِی نَفْسٍفَلِهَـذَا لَا يَجِبُ عَلَى الْقَاتِـلِ الْكَفَّارَةُ وَالدِّيَةُ،وَإِلَى هَذَا أَشَـارَ رَسُـولُ اللَّہِ صَـلَّى اللَّہُ عَلَيْہِ وَآلِہِ وَسَـــلَّمَ فِی حَـــدِيثٍ بِقَـــوْلِہِ((هُمْ مِنْهُمْ)) يَعْنِی أَنَّ ذَرَارِيَّ الْمُشْرِكِينَ مِنْهُمْ ، فِی أَنَّـہُ لَا عِصْمَةَ لَهُمْ وَلَا قِيمَةَ لِذِمَّتِهِمْ .‘‘

’’(کافر)عورتیں ، بچے ،پاگل اور بوڑھے جو دارالحرب کے مکین ہیں ان کو نہیں مارنا چاہئے اور جو کوئی اِن میں سے کسی کو مارے بغیر اس کے کہ وہ آپ سے لڑتے ہوں تواس کے باوجود اس پر کفارہ نہیں آتا اور نہ ہی دیت(یہ تو دور کی بات ہے کہ اسے سزا ملے)اور یہ اس لئے کہ کفار ہ اور دیت لازم اسی چیز پر آتی ہے جس کی حرمت اور حفاظت فی نفسہٖ ہو اور یہ حرمت اور حفاظت صرف اسلام سے اور دارالاسلام سے ملتی ہے ۔اور اس مسئلہ میں دونوں میں سے کوئی چیز بھی موجود نہیں ہے اس کے باوجود بھی ان عورتوں اور بچوں کو مارنا فقط اس لئے منع ہے کہ ان(کوغلام اور باندیاں بنانے)سے ممکنہ فائدہ پہنچ سکتا ہے اور اس لئے بھی کہ وہ بنیاد موجودنہیں جس سے ان کا قتل لازمی آتا ہے یعنی جنگ ،اوراس لئے نہیں کہ ان کی کوئی عصمت اور مرتبہ فی نفسہ موجود ہوں اسی لئے ان کے قتل کرنے پر کفارہ یا دیت واجب نہیں ہوتی۔چناچہ اسی بات کی طرف اللہ کے رسول ﷺنے اشارہ کیا جب انہوں نے کہا’’یہ انہی میں سے ہیں‘‘مطلب یہ کہ مشرکین کی عورتیں اور بچے یقینا مشرکین میں سے ہی ہیں ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی کوئی حرمت نہیں اور نہ ہی کوئی مرتبہ ہے جس کو تاتارنہ کیا جاسکے‘‘۔

امام کاسانی الحنفی ؒفرماتے ہیں

’’وَلَوْ قُتِلَ وَاحِدٌ مِمَّنْ ذَكَرنَا أَنَّــ لَا يَحِلُّ قَتْلُــ فَلَا شَيْئَ فِيِ مِنْ دِيَــةٍ وَلَا كَفَّارَةٍ ،اِلَّا التَّوْبَــةُ وَالِاسْـتِغْفَارُ ؛ لأَ نَّ دَمَ الْكَافِرِ لَا يَتَقَوَّمُ اَلَّا بِالْأَ مَانِ‘‘

’’اگر ان میں سے کوئی بھی جن کا ہم نے ذکر کیا ہے (یعنی عورتوں ،بچوں اور بوڑھو ں میں

سے)جن کو قتل کرنا جائز نہیں ہےلیکن اگر ان میں سے کسی کو قتل کردیا جائے تو دیت اور کفارہ لازم نہیں آتاسوائے توبہ واستغفار کے اور یہ اس لئے کہ کافر کے خون کی کوئی قیمت نہیں سوائے عہد کے‘‘۔

(بدائع الصنائع،ج۱۵،ص۲۸۴)

امام ابن نجم فرماتے ہیں:

’’لَوْ قَتَلَ مَنْ لَا يَحِلُّ قَتْلُهُ مِمَّنْ ذَكَرْنَا فَلَا شَيْءَ فِيهِ مِنْ دِيَةٍ وَلَا كَفَّارَةٍ إلَّا التَّوْبَةُ، وَالِاسْتِغْفَارُ ؛ لِأَنَّ دَمَ الْكَافِرِ لَا يَتَقَوَّمُ إلَّا بِالْأَمَانِ‘‘

’’اور اگر کوئی قتل کردے کسی ایسے شخص کو جسے قتل کرنا ممنوع ہے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے (جیسے عورتیں اور بچے)تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں آتی جیساکہ دیت یا کفارہ،بس یہ کہ (اس پر لازم ہے کہ)وہ توبہ اور اللہ سے معافی مانگے۔اور یہ اس لئے کہ کافر کے خون کی کوئی قیمت نہیں سوائے عہد کے جو موجود نہیں ہے‘‘

(البحرالرائق شرح کنز الدقائق،ج۱۳،۳۱۳)

امام شافعی ؒفرماتے ہیں:

’’وللمسلمین أن یشنوا علیهم الغارة لیلا ونهارا فان أصابوا من النساء والولدان أحدا لم یکن فیه عقل ولا قود ولا کفارة‘‘

’’ اورمسلمانوں کے لئے اس کی اجازت ہے کہ کفار پر رات کو اور دن کو حملہ کیا جائے اور اس کے نتیجے میں(بلاارادہ)عورتیں اور بچے مارے

جائیں اس(کام کے کرنے والے)پر کوئی دیت اور کفارہ اورمعاوضہ نہیں‘‘۔

(الأم،ج۴،ص۴۵۲)

یہاں بھی ایک بات نوٹ کرنے کی ہے کہ امام شافعیؒاس بات کی وضاحت کررہے ہیں کہ کفارپر حملے کے دوران ان کی عورتوں اور بچوں کے (بلاارادہ)مارے جانے میں کوئی حرج نہیں چاہے وہ وقت رات کا نہ ہو بلکہ یہ کام دن کی روشنی میں ہو۔

کفار کی عورتیں اور بچے مسلمانوں کا مال غنیمت ہیں:

جیسا کہ ہم سمجھ چکے ہیں کہ کفار کے بچوں اور عورتوں کی حرمت مطلق(عام)نہیں ہے بلکہ یہ اس وجہ سے ہے کہ یہ مسلمانوں کی منفعت یعنی ان کا مال غنیمت ہیں۔حافظ ابنِ حجرؒامام طبرانیؒکو نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

’’وَرَوَاہُ الطَّبَرَانِیُّ فِی الْأَوْسَطِ مِنْ حَدِیث أَبِی سَعِید قَالَ’’نَہْی رَسُول اللَّہ صَلَّی اللَّہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ قَتْل النِّسَاء وَالصِّبْیَان وَقَالَ:’’ہُمَا لِمَنْ غَلَبَ ‘‘

’’ابو سعید سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے‘‘۔امام طبرانی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ’’یہ اس لئے کہ وہ فاتح (مجاہدین) کا مال ہیں۔‘‘

(فتح الباری،ج۹،ص۲۲۸،رقم الحدیث:۲۷۹۲)

امام رملیؒفرماتے ہیں:

’’اور اگر وہ (دارالحرب کے باشندے)مسلمانوں کو یا ذمی کو ڈھال کے طور پر استعمال کریں تو ان پر حملہ نہیں کرنا چاہئے الا یہ کہ اس کی ضرورت ہو۔یہ اس لئے کہ اہلِ ایمان اور اہل الذمہ کی حرمت کا احترام واجب ہے۔(اس کے برعکس)کافر کے عورتوں اور بچوں کے مارنے سے متعلق یہ ممانعت مختلف ہے۔ کیونکہ یہ معاملہ خصوصاًغنیمت کے حق کو محفوظ کرنے کا ہے۔ (یعنی مجاہدین ان عورتو ں اور بچوں کے مالک بنیں گے)‘‘۔

(النہایہ المحتاج،ج۸،ص۶۵)

امام ابن قدامہؒ فرماتے ہیں:

’’اور جیسا کہ دارالحرب میں عورتو ں اور بچوں کو قتل کرنے پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور یہ اس لئے کہ ان کے پاس نہ ایما ن ہے اور نہ ہی امان ہے ‘‘اور ان کے قتل کی ممانعت کی وجہ یہی ہے جو ممکنہ فائدہ مسلمانوں کو حاصل ہوسکتا ہے ان پر قبضہ کرنے یا ان کو مسلمانو ں کاغلام بنانے سے‘‘۔

(المغنی،ج۸،ص۶۷)

اما م سرخسیؒ اس بات کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

’’وَاِنَّمَا حَرُمَ قَتْلُهُمْ لِتَوْفِيرِ الْمَنْفَعَةِ عَلَى الْمُسْلِمِينَ‘‘

’’ عورتوں اور بچوں کو مارنا فقط اس لئے منع ہے کہ ان (کوغلام اور باندیاں بنانے)سے مسلمانوں کو ممکنہ فائدہ پہنچ سکتا ہے‘‘۔

(شرح السیر الکبیر،ج۱،ص۴۴۹)

امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

’’وانہن والولدان متخولون فیکونون قوۃ لاھل دین اللّٰہ عزوجل‘‘

’’اور اسی طرح عورتوں کا معاملہ ہے کیونکہ ان میں جنگ کی طاقت نہیں ہے اور اس لئے بھی کہ وہ (عورتیں)اور بچے غنیمت ہیں اور جو کہ ایک اضافی قوت ہوسکتی ہے اللہ بزرگ وبرتر کے دین کے ماننے والوں کے لئے ہے‘‘

(الرسالۃ:۲۹۹)

مشہور سعودی عالم دین شیخ صالح العثیمنؒ متفق ہیں اس بات سے جب وہ کہتے ہیں :

’’اور جہاں تک تعلق ہے اللہ کے رسول ﷺکی ممانعت کاجوکہ کافر عورتوں اور بچوں سے متعلق ہے.تو وہ کیا وجہ تھی جس کی بنیا دپر اللہ کے رسول ﷺ نے عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع فرمایا ؟وہ اس لئے کہ ان کو قید کیا جائے اور غلام بنایا جائے کیونکہ ا گر وہ مارے جائیں تو یہ مسلمانوں کے فائدے میں نقصان ہوگا‘‘ ۔

(کتاب الجھاد ،شرح بلوغ المرام)

کافروں کی عورتوں کے حوالے سے بس ایک بات ذہن میں رہے کہ ان کو مال غنیمت کے طور پر ،چاہے وہ انفرادی ہویا امام کے تحت ہو،حاصل کرنے کے بعدان کو لونڈیاں بنانے یعنی ان سے تمتع(جنسی اختلاط)صرف وہ شخص ہی حاصل کرسکتاہے جوکہ اس کا مالک بن گیا

ہو یا جس کو امام کی طرف سے مالک بنادیا گیا ہو۔ اس کے علاوہ کوئی اور شخص ان سے تمتع حاصل نہیں کرسکتا۔سوائے اس کے کہ مالک اس کو کسی دوسرے کو ہبہ کردے یا پھر کسی اور کے نکاح میں دیدے یاپھر اس کو آزاد کردے اور پھر وہ کسی سے نکاح کرلے۔اس حوالے سے مزیدتفصیلی احکامات ہیں جس کے لئے قدیم فقہاء کرام کی کتب و فتاویٰ کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

چوتھا شبہ

مسلمانوں کی موجودگی میں کافروں کے علاقوں میں عام حملہ کرنے کا حکم

بعض لوگوں کی طرف سے یہ شبہ یا اعتراض اٹھایا جاتا ہے کہ کفار کے ممالک میں بڑی تعداد مسلمانوں کی رہتی ہے تو وہاں عام تباہی پھیلانے کی صورت میں اگر وہاں کفار کی عورتوں اور بچوں کے ساتھ ساتھ مسلمان بھی نشانہ بن جائیں تو اس کا کیا حکم ہوگا؟ چناچہ وہ عام تباہی پھیلانے والے افعال اس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کرناجائز نہیں اور اس کی دلیل میں قرآن کریم کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

﴿هُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا أَن يَبْلُغَ مَحِلَّهُ وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوهُمْ أَن تَطَئُوهُمْ فَتُصِيبَكُم مِّنْهُم مَّعَرَّةٌ بِغَيْرِ عِلْمٍ لِّيُدْخِلَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ مَن يَشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوا لَعَذَّبْنَا الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾

’’یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور تم کو مسجد حرام سے روکا اور قربانی کے لئے موقوف جانور کو اس کی قربان گاہ میں پہنچنے سے (روکا)،اور اگر ایسے (بہت سے)مسلمان مرد اور (بہت سی)مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جن کی تم کو خبر نہ تھی یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر ان کی وجہ سے تم کو بھی بے خبری میں دکھ پہنچتا، (تو تمہیں لڑنے کی اجازت دے دی جاتی لیکن ایسا نہیں کیا گیا)تاکہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے اور اگر یہ الگ الگ ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم ان کو درد ناک سزا دیتے‘‘۔

(سورۃ الفتح :۲۵)

جواب:

حربی کفا رکے علاقوں پر حملے کرنے کی صورت میں مسلمانوں کے وہاں وجود کے یقینی ہونے کے باوجود، امام الشافعی ؒکی رائے یہ ہے کہ جنگ میں مسلمانوں کے کفار کے ساتھ مختلط(گڈمڈ)ہونے کی وجہ سے اُن کے قتل ہونے کے پیشِ نظر، کفّار سے نہ لڑنا مستحسن امر تو ہے،مگر واجب نہیں۔آپؒاس آیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

’’وان کان فی الدار أی دار الحرب أساری من المسلمین،أو تجارٌ مستأمنون کرہت النصب علیهم بما یعم من التحریق،والتغریق وما أشبهہ،غیر محرم لہ تحریماً بیناً ‘‘

’’اگرچہ (دارالحرب)میں مسلمان قید میں ہویا پھرپرامن تاجر ہوں، تو ایسی صورت میں اُن (کفّار)پر ایسی چیز نصب کرنا کہ جس سے عام

ہلاکتیں ہوں، جیسے آگ لگانا اور پانی کے ساتھ غرق کرنا اور اس سے مشابہ دوسرے کام ''مکروہ'' تو ہیں، مگر ایسے حرام نہیں کہ جن کی حرمت واضح ہو''۔

(الآم۴ /۲۴۴)

امام ابوبکر الجصّاص،سورہ الفتح کی اوپر ذکر کردہ آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''وَأَمَّا احْتِجَاجُ مِنْ يَحْتَجُّ بِقَوْلِہِ: وَلَوْلَا رِجَالٌ مُؤْمِنُونَ وَنِسَاءٌ مُؤْمِنَاتٌ، الْآيَةَ،فِی مَنْعِ رَمْيِ الْكُفَّارِ؛لِأَجْلِ مَنْ فِيهِمْ مِنْ الْمُسْلِمِينَ،فَإِنَّ الْآيَةَ لَا دَلَالَةَ فِيهَا عَلَى مَوْضِعِ الْخِلَافِ وَذَلِکَ؛لِأَنَّ أَكْثَرَ مَا فِيهَا أَنَّ اللہَ كَفَّ الْمُسْلِمِينَ عَنْهُمْ ؛لِأَنَّہُ كَانَ فِيهِمْ قَوْمٌ مُسْلِمُونَ لَمْ يَأْمَنْ أَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ لَوْ دَخَلُوا مَكَّةَ بِالسَّيْفِ أَنْ يُصِيبُوهُمْ وَذَلِکَ انَّمَا يَدُلُّ عَلَى ابَاحَةِ تَرْكِ رَمْيِهِمْ وَالْإِقْدَامِ عَلَيْهِمْ،فَلَا دَلَالَةَ عَلَى حَظْرِ الْإِقْدَامِ عَلَيْهِمْ مَعَ الْعِلْمِ بِأَنَّ فِيهِمْ مُسْلِمِينَ ؛ لِأَنَّہُ جَائِزٌ أَنْ يُبِيحَ الْكَفَّ عَنْهُمْ ؛ لِأَجْلِ الْمُسْلِمِينَ وَجَائِزٌ أَيْضًا ابَاحَةُ الْإِقْدَامِ عَلَى وَجْہِ التَّخْيِيرِ،فَاِذًا لَا دَلَالَة فِيهَا عَلَى حَظْرِ الْإِقْدَامِ''

''جہاں تک اللہ تعالیٰ کے ارشاد :ولولارجال مؤمنون ونساء ۔۔۔الخکو اس بات کی دلیل بنانے کا تعلق ہے کہ جب کفار کے درمیان مسلمان پائے جاتے ہوں تو ان پر حملہ کرنا درست نہیں، تو یہ آیت ایسی کسی بات پر دلالت نہیں کرتی۔ اس آیت سے زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ مشرکینِ (مکہ) کے درمیان مسلمان بھی پائے جاتے تھے اور اگر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ و سلم مکے میں تلوار کے زور پہ داخل ہوتے تو اس بات کاخدشہ تھا کہ وہ

مسلمان بھی ان کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں، لہٰذا اللہ
تعالیٰ نے صحابہؓ کو ان پر حملے نہیں کرنے دیا۔
یہ چیز صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اگر
مشرکین کے درمیان مسلمان بھی موجود ہوں
تو ان کو نشانہ بنانے اور حملہ کرنے سے رکنا
’’مباح‘‘ہے۔ یہاں ایسی کوئی دلیل نہیں پائی
جاتی جس سے ایسی صورت میں حملہ کرنے کی
ممانعت ثابت ہوتی ہو.........کیونکہ یہ بات تو
درست ہے کہ مسلمانوں کو بچانے کی خاطر
مشرکین پرحملے سے رکنامباح قرار دیا جائے۔
اسی طرح یہ بات بھی معقول ہے کہ مسلمانوں
کے لئے حملہ کرنا بھی مباح ہواور مسلمان دونوں
میں سے جس راہ (میں شرعی مصلحت دیکھیں
اسے)اختیار کر لیں۔بہرحال اس آیت میں ایسی
کوئی دلیل نہیں موجود جس سے (ایسی صورت
میں)مشرکین پر حملہ ممنوع قرار پائے‘‘۔

(احکام القرآن،ج۸ص۴۲۴)

شیخ یوسف العیری شہیدؒفرماتے ہیں:

’’ثم ان من أجری عموم هذه الآیة ومنع الاضرار
بدار الحرب لوجود مسلمین فیها،فان قوله هذا
یقتضی منع الحرب ضد أیة دولة حربیة فی زماننا ،
لأنه الیوم لا توجد دولة من دول الکفر والحرب الا
وفیها عدد لیس بالقلیل من المسلمین ،والحروب
فی هذا الزمن تضر کل السکان اما بشکل مباشر
أو غیر مباشر ، فاذا منعنا الاضرار بهم بأیة طریقة
فقد أفضی ذلکالی تعطیل الجهاد ضد دول الکفر
والحرب بحجة وجود مسلمین فیها ‘‘

’’پھرآج جوشخص،اس آیت کی عمومیت کو لاگو
کرتے ہوئے دارالحرب میں مسلمانوں کے وجود کے

سبب دارالحرب کو کوئی نقصان پہنچانے سے منع کرتا ہے، تو اس کا یہ قول ہمارے زمانے کے کسی بھی حربی ملک کے خلاف جنگ سے منع کرنے کا متقاضی ہے کیونکہ آج کوئی بھی ایسا کافر اور جنگجو ملک نہیں کہ جہاں تھوڑے بہت مسلمان نہ ہوں،جبکہ آج کے زمانے کی جنگیں تو پوری آبادی کوبراہِ راست یا بالواسطِ طور پر نقصان پہنچاتی ہیں ۔ لہٰذا اگر ہمیں حربی کفار کے علاقوں میں بسنے والے مسلمانوں کوکسی بھی طریقے سے نقصان پہنچنے کا اندیشے کی بناءپرجہاد سے منع کیاجاتاہے ، تو اس سے مسلمانوں کے وجود کی حجت کے سبب تمام کفریہ اور حربی ملکوں کے خلاف جہاد معطل ہو کر رہ جائے گا(جس کی شریعت میں اجازت نہیں)‘‘۔

(حقیقة الحرب الصلیبیة الجدیدة،ص۳۸)

امام سرخسی الحنفیؒ لکھتے ہیں:

’’وَلَا بَأْسَ بِإِرْسَالِ الْمَاءِ اِلَى مَدِينَةِ أَهْلِ الْحَرْبِ وَاِحْرَاقِهِمْ بِالنَّارِ وَرَمْيِهِمْ بِالْمَنْجَنِيقِ وَاِنْ كَانَ فِيهِمْ أَطْفَالٌ أَوْ نَاسٌ مِنْ الْمُسْلِمِينَ أَسْرَى أَوْ تُجَّارٌ‘‘اہـ ۔

’’اہلِ حرب کے شہر میں پانی چھوڑ نے، انہیں آگ سے جلا ڈالنے اور ان پر منجنیق کے گولے برسانے میں کوئی حرج نہیں، اگرچہ ان کے درمیان بچے اور مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر بھی موجود ہوں۔‘‘

(المبسوط،ج۱۲ص۱۲۵)

امام ابن فرحون المالکیؒفرماتے ہیں:

’’مسـأله:لم يختلف في رمي مراكبهم بالمنجنيق،وكذلك حصونهم،وان كان فيهم مسلمون‘‘اھ۔

’’مسئلہ: کفار کی سواریوں اور قلعوں پر منجنیق کے گولے برسانے کے حوالے سے کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا، اگرچہ ان کے درمیان مسلمان ہی کیوں نہ موجود ہوں۔‘‘

(تبصرة الحكام:٢ / ٩٥)

امام مواق المالکی ؒفرماتے ہیں:

’’ابن القاسم:لا بأس أن ترمى حصونهم بالمنجنيق،و يقطع عنهم الميرو الماء وان كان فيهم مسلمون أوذرية، وقاله أشهب۔‘‘

’’ابن القاسم ؒفرماتے ہیں: کفار کے قلعوں پر منجنیق سے گولے باری کرنے اور ان کی خوراک اور پانی روک دینے میں کوئی حرج نہیں، خواہ ان کے درمیان مسلمان یا چھوٹے بچے ہی کیوں نہ موجود ہوں۔یہی بات اشہب ؒنے بھی فرمائی ہے۔‘‘

(التاج والاكليل:۴/۵۴۴)

امام ابن حجرالہیثمی الشافعیؒ’’تحفۃالمحتاج‘‘میں اسلاف کے اقوال، جوکہ بین القوسین ہیں، کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’وَذَلِكَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى﴿وَخُذُوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ﴾؛وَلِأَنَّهُ (صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَصَرَ أَهْلَ الطَّائِفِ وَرَمَاهُمْ بِالْمَنْجَنِيقِ)رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ وَغَيْرُهُ نَعَمْ لَوْ تَحَصَّنَ

حَرْبِیُّونَ بِمَحَلٍّ مِنْ حَرَمِ مَکَّۃَ لَمْ یَجُزْ حِصَارُھُمْ وَلَا قِتَالُھُمْ بِمَا یَعُمُّ تَعْظِیمًا لِلْحَرَمِ،وَظَاھِرٌ أَنَّ مَحَلَّہُ حَیْثُ لَمْ یُضْطَرَّ لِذَلِکَ.(وَتَبْیِیتُھُمْ)أَیْ الْاِغَارَۃ عَلَیْھِمْ لَیْلًا .(فِی غَفْلَۃٍ)لِلِاتِّبَاعِ رَوَاہُ الشَّیْخَانِ وَقَالَ عَنْ نِسَائِھِمْ وَذَرَارِیِّھِمْ لَمَّا سُئِلَ عَنْھُمْ ھُمْ مِنْھُمْ وَبَحَثَ الزَّرْکَشِیُّ کَالْبُلْقِینِیِّ کَرَاھَتَہُ حَیْثُ لَا حَاجَۃَ اِلَیْہِ ؛ لِأَنَّہُ لَا یُؤْمَنُ مِنْ قَتْلِ مُسْلِمٍ یَظُنُّ أَنَّہُ کَافِرٌ وَلَا یُقَاتَلُ مَنْ عَلِمْنَا أَنَّہُ لَمْ تَبْلُغْہُ الدَّعْوَۃُ بِھَذَا وَلَا بِغَیْرِہِ حَتَّی یَعْرِضَ عَلَیْہِ الْاِسْلَامَ وَاِلَّا ضَمِنَ خِلَافًا لِمَنْ قَالَ:انَّ عَرْضَہُ عَلَیْہِ مُسْتَحَبٌّ،أَمَّا مَنْ بَلَغَتْہُ فَلَہُ قَتْلُہُ وَلَوْ بِمَا یَعُمُّ وَسَبْیُ تَابِعِہِ الَی أَنْ یُسْلِمَ وَیَلْتَزِمَ الْجِزْیَۃَ انْ کَانَ مِنْ أَھْلِھَا .(وَاِنْ کَانَ فِیھِمْ مُسْلِمٌ) وَاحِدٌ فَأَکْثَرُ. (أَسِیرٌ أَوْ تَاجِرٌ جَازَ ذَلِکَ)أَیْ احْصَارُھُمْ وَقَتْلُھُمْ بِمَا یَعُمُّ وَتَبْیِیتُھُمْ فِی غَفْلَۃ وَاِنْ عُلِمَ قَتْلُ الْمُسْلِمِ بِذَلِکَ لَکِنْ یَجِبُ تَوَقِّیِہِ مَا أَمْکَنَ (عَلَی الْمَذْھَبِ) لِئَلَّا یُعَطِّلُوا الْجِھَادَ عَلَیْنَا بِحَبْسِ مُسْلِمٍ عِنْدَھُمْ نَعَمْ یُکْرَہُ ذَلِکَ حَیْثُ لَمْ یُضْطَرَّ اِلَیْہِ کَأَنْ لَمْ یَحْصُلْ الْفَتْحُ الَّا بِہِ تَحَرُّزًا مِنْ ایذَاءِ الْمُسْلِمِ مَا أَمْکَنَ مِثْلُہُ فِی ذَلِکَ الذِّمِّیُّ وَلَا ضَمَانَ ُہُنَا فِی قَتْلِہِ ؛ لِأَنَّ الْفَرْضَ أَنَّہُ لَمْ تُعْلَمْ عَیْنُہُ‘‘ ؎

’’ مگردرست رائے یہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿وَ خُذُوْھُمْ وَ احْصُرُوْھُمْ التوبہ:۵﴾ ’’ان (مشرکین کو)پکڑو اور ان کا محاصرہ کرو.........‘‘{اور چونکہ}حَصَرَ اَھْلَ الطَّائِفِ وَ رَمَاھُمْ بِالْمَنْجَنِیْقِ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ طائف کا محاصرہ کیا اور ان پر منجنیق سے گولہ باری کی{ مندرجہ بالا حدیث کو بیہقی رحمہ اللہ وغیرہ نے روایت کیا ہے}اگر کفار کے درمیان مسلمان موجود ہوں{، ایک یا ایک سے زیادہ، }خواہ وہ قیدی ہوں یا تاجر، تو بھی ایسا کرنا جائز ہے{،یعنی ان کا محاصرہ کرنا، انہیں کسی ایسے ذریعہ سے قتل کرنا جس

سے عام ہلاکت پھیلے اور ان پر غفلت میں شب
خون مارنا، خواہ ایسا کرتے ہوئے اس بات کا علم
ہو کہ مسلمان بھی ضمناً مارا جائے گا۔البتہ
جہاں تک ممکن ہو، کفار کو مارتے ہوئے
مسلمانوں کو بچانے کی کوشش کرنی
چاہیئے۔}اس مسئلے میں ہمارے مذہب کا مؤ
قف یہی ہے{ تاکہ کفار کسی مسلمان کو اپنے
قبضے میں لے کر جہاد کو معطل نہ کرسکیں۔
البتہ جب ہم یہ حربے استعمال کرنے پر مجبور نہ
ہوں، مثلاً جب یہ سب کچھ کئے بغیر بھی فتح
حاصل ہو سکتی ہو، تو ان کا استعمال مکروہ
قرار پائے گا، تاکہ مسلمانوں کو حتی الامکان
اذیت سے بچایا جا سکے۔۔ ایسا ہی حکم ذمی کے
معاملے میں بھی ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ
اس طرح مارے جانے والے مسلمان کے قتل پر
کوئی معاوضہ (ضمان)نہیں ادا کیا جائے گااور
یہی بات فرض کی جائے گی کہ مارنے والا اس
مسلمان کی وہاں موجودگی سے غافل تھا۔‘‘

(تحفة المحتاج،ج۴۰ص۱۳)

امام عبادی الحنفی ہ’الجوہرۃ النیرۃ‘ میں اسلاف
کے اقوال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں

’’قولہ(و أرسلوا عليهم الماء وقطعوا شجرهم و
أفسدوا زرعهم):لأن في ذلک كسر شوكتهم
وتفريق جمعهم وقد صح أن النبي صلى اللّٰہ عليہ
وسلم حاصر بني النضير وأمر بقطع نخليهم
وحاصر أهل الطائف و أمر بقطع كرومهم)قولہ (
ولا بأس برميهم وان كان فيهم مسلم أسير أو
تاجر): يعنى بالنشاب والحجارة والمنجنيق؛لأن في
الرمي دفع الضرر العام بالذب عن جماعة

المسلمین وقتل التاجر والأسیرضررخاص‘‘اھ ۔

’’ مصنف کا یہ کہنا کہ} ان پر پانی چھوڑ دیا جائے اور ان کے درخت کاٹ ڈالے جائیں اور ان کی فصلیں برباد کر دی جائیں{ اس لئے درست ہے کہ یہ اقدامات ان کی قوت و شوکت توڑنے اور ان کی وحدت پارہ پارہ کرنے کا باعث ہیں یہ بات تو صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ }رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے بنی نضیر کا محاصرہ کیا اور ان کے کجھور کے درخت کاٹنے کاحکم دیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے اہلِ طائف کا محاصرہ کیا اور ان کے باغات کاٹ ڈالنے کا حکم دیا{۔ اسی طرح مصنف کے قول کہ }اگر ان کے درمیان مسلمان قیدی یا مسلمان تاجر بھی پائے جاتے ہوں تب بھی ان پر اسلحہ برسانے میں کوئی حرج نہیں { سے مقصود ایسی حالت میں بھی تیر، پتھریا منجنیق کے گولے برسانے کو جائز قرار دینا ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے ’ضررِ عام‘ دور ہوگا، یعنی مسلمانوں کا بحیثیتِ مجموعی تحفظ یقینی بنے گا۔ جب کہ تاجر یا قیدی کا مارا جانا ’ضررِ خاص‘ ہے‘‘۔

(الجوہرۃالنیرۃ: ۲/۲۵۸)

فقہی اصول ہے کہ جب ’ضررِ عام‘ اور ’ضررِ خاص‘ میں سے کسی ایک کواختیار کئے بغیر چارہ نہ ہو تو ضررِخاص اختیار کیا جائے ،کیونکہ اس صورت میں کم لوگ ضرر اٹھائیں گے۔ البتہ اس بات کا خیال رکھنا اشد ضروری ہے کہ مسلمانوں کی غالب آبادی والے ملکوں میں مسلمانوں کو نقصان پہنچنے سے غفلت کرنا جائز نہیں۔سو، اُنہیں بغیر کسی شدید ترین ضرورت کے

نقصان پہنچانا، ڈھال بنائے گئے مسلمانوں کو بغیر کسی شدید ضرورت کے نقصان پہنچانے کے (مسئلے کی)مانند ہے۔ رہا مسئلہ اس دارالحرب کا کہ جہاں کے تمام رہائشی جنگجو کفار میں سے ہوں اور وہاں قلیل تعداد مسلمانوں کے قتل ہونے کااندیشہ ہے، تو اس پراسلاف کی درج بالااقوال کا انطباق ہوگا۔ واللہ اعلم

امام سرخسیؒ ’شرح السیر الکبیر‘ میں امام محمد بن الحسن ؒکا قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’وَلَا بَأْسَ لِلْمُسْلِمِينَ أَنْ يُحَرِّقُوا حُصُونَ الْمُشْرِكِينَ بِالنَّارِ أَوْ يُغْرِقُوهَا بِالْمَاءِ وَأَنْ يَنْصِبُوا عَلَيْهَا الْمَجَانِيقَ،وَأَنْ يَقْطَعُوا عَنْهُمْ الْمَاءَ،وَأَنْ يَجْعَلُوا فِی مَائِهِمْ الدَّمَ وَالْعَذِرَةَ وَالسُّمَّ حَتَّى يُفْسِدُوهُ عَلَيْهِمْ .لِأَنَّا أُمِرْنَا بِقَهْرِهِمْ وَكَسْرِ شَوْكَتِهِمْ .وَلَا يَمْتَنِعُ شَيْءٌ مِنْ ذَلِکَ مَا يَكُونُ لِلْمُسْلِمِينَ فِيهِمْ مِنْ أَسْرَى،أَوْ مُسْتَأْمَنِينَ ،صِغَارًا أَوْ كِبَارًا أَوْ نِسَاءً أَوْ رِجَالًا وَإِنْ عَلِمْنَا ذَلِکَ.لِأَنَّہُ لَا طَرِيقَ لِلتَّحَرُّزِ عَنْ إصَابَتِهِمْ مَعَ امْتِثَالِ الْأَمْرِ بِقَهْرِ الْمُشْرِكِينَ،وَمَا لَا يُسْتَطَاعُ الِامْتِنَاعُ مِنْہُ فَهُوَ عَفْوٌ.‘‘

’’مسلمانوں کے لئے مشرکین کے قلعے آگ سے جلا ڈالنے یا پانی میں غرق کرنے ، ان کے خلاف منجنیق استعمال کرنے، مشرکین کا پانی کاٹ دینے اور اسے ناقابلِ استعمال بنانے کے لئے اس میں خون، انسانی فضلات یا زہر ڈالنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ہمیں ان پر قابو پانے اور ان کی قوت و شوکت توڑنے کا حکم دیا گیا ہے.........(اوران کے درمیان)مسلمان بچوں یا بڑوں، عورتوں یا مردوں کا بطور قیدی یا مستأ من کا دشمنوں کے درمیان پایا جانا بھی درج بالا تدبیریں اختیار کرنے میں مانع نہ ہوگا، چاہے ان کی

وہاںموجودگی ہمارے علم میں ہی کیوں نہ ہو،
کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ دشمنوں کا زور توڑنے
کا حکم بھی پورا کیا جائے اور ان کے درمیان
موجود مسلمانوں پر آنچ بھی نہ آئے، لٰذا جس
چیز سے بچنا ہماری استطاعت سے باہر ہو اس
پر کوئی مواخذہ نہیں۔‘‘

(شرح السیرالکبیر،ج۴ص۱۶۸رقم:۲۸۵۵)

اگر کسی ہدف کے بارے میں یہ دعویٰ بھی کیا جائے:

کافر کے علاقے میں اگر کسی ہدف کے بارے میں یہ دعویٰ بھی کیا جائے کہ وہاں مسلمانوں کی موجودگی میں اس کو نشانہ بنانے کی اشدضرورت نہ تھی، اور پھر ہلاک شدگان میں مسلمانوں کا وجود ثابت ہونے پر اُس فاعل پر جو انتہائی شدید شرعی حکم لاگو ہوگا، وہ یہ کہ وہ ان مسلمان مقتولوں کی نصف دیت ادا کرے۔ نبی کریم ﷺکے اس فتوے کی بنیاد پر کہ جو آپ ﷺنے کفّار کے ساتھ مختلط ہونے والے خثعم قبیلے کے مسلمانوں کے قاتل حضرت خالد بن ولیدؓپر دیا تھا۔آپﷺنے اُن مسلمانوں کے قاتل کو نہ تو کافر قرار دیا، نہ اُس سے سختی سے پیش آئے، نہ ہی اُس سے قصاص لیا، نہ اُس پر بددعا کی اور نہ ہی اُس کے اس فعل سے برأت کا اظہار کیا ۔جبکہ ا س کے برعکس جب حضرت خالد بن ولیدؓنے بنی خذیمہ قبیلے کے اُن لوگوں کو ایک مغالطے کی وجہ سے قتل کردیا تھا، جبکہ وہ اسلام لے آئے تھے تونبی کریمﷺ نے اُن کی پوری دیت ادا کی تھی اور فرمایا تھا کہ:

’’یا اللہ، میں تیرے سامنے اِس سے برأت کا اعلان
کرتا ہوں کہ جو خالد نے کیا‘‘۔

کیونکہ بنی خزیمہ والی واقعہ میں خثعم قبیلہ والہ واقعہ کی طرح مسلمانوں اور کفار کا اختلاط نہیں تھابلکہ حضرت خالد بن ولید ؓکو ان کہ قبولیت اسلام کہ بارہ میں مغالطہ ہوگیا تھا تو آپ ﷺنے حضرت خالد بن ولید ؓکہ اس فعل سہ برأت کا اعلان کیا لیکن اس کہ باوجود بھی آپ ﷺنے حضرت خالد بن ولید ؓکو نہ تو کافر قرار دیا اور نہ ہی ان کو کوئی سزا دی۔

حاصل کلام:

شیخ ناصر بن فہدفک اللہ اسرہ درج بالا تمام معاملات میں اسلاف کہ طرز عمل کو یوں بیان کرتہ ہیں:

’’تمام علماء مذکورہ بالا باتوں پر بحیثیتِ مجموعی متفق ہیں، البتہ بعض تفصیلات میں اختلاف کا پایا جانا ممکن ہے۔ یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیہ کہ یہ ضمنی اختلافات بھی ’’اقدامی جہاد‘‘ہی کی حد تک ہیں،لٰذا اگر کوئی ایسا (مختلف فیہ)فعل کر گزرنا (دفاعی)جہاد کی ضرورت بن جائہ تو اس صورت میں اختلاف پر قائم رہنا مناسب نہیں ہو گا ‘‘۔

اختتامیہ

رسول اللہ ﷺہر اس مسلمان سہ بری ہیں جو مشرکین کہ درمیان رہائش اختیار کرہ

شیخ یوسف العیری شہیدؒفرماتہ ہیں:

’’ولمــاذا یلام من أراد أن یفعــل المــأمور بقتــل وترویع أهل الحرب واستباحة دیـارهم ؟ولا یلام من خالف أمر النبی ﷺوأقام بین ظهـرانی المشـرکین؟ فأصـبح من قـام بـأمر اللّٰہ مجرمـاً،ومن تـبرأ منہ الرسـولﷺمؤمناً یجب المحافظـة علی دمہ وأمنہ، وهـذا لا یعـنی أننـا نکفـر من أقـام بین ظهـرانی المشـرکین وان کـان ظاهر کلام النـبی ﷺ یقتضـی ذلک ، الا أننا نقول هم مسـلمون وغایـة مـا یـدفعہ من قتلهم نصف دیتهم ‘‘

’’تو آج پھر ایسے شخص کو کیوں ملامت کیـا جاتـا ہے کہ جو کفار کـو قتـل کـرنے اور اُنہیں مرعـوب کـرنے اور اُن کے ملکـوں کــو تبـاہ کـرنے جیسـے (شــرعی)حکم پــر عمــل کرتـا ہے(اور اس دوران وہاں موجــود کچھ مســلمان قتــل ہوجــاتے ہیں) ....اس کے بــرعکس اُس شــخص کــو کــوئی ملامت نہیں کی جـــاتی کہ جس نے نـــبیﷺ کی مخالفت کرتے ہوئے مشـرکوں کے درمیـان اقـامت اختیار کی(اور ان حملوں کا نشـانہ بن گیـا)۔ گویـا کہ اللہ سـبحانہ وتعـالیٰ کے حکم کـو بجـا آور لانے والا تــو مجــرم ٹھہرا!.........اور کفـارکے درمیــان رہنے پر جس سے رسول اللہ ﷺنے بـرأت کـا اعلان ظاہر کیا، وہ ایسا مؤمن ٹھہرا کہ جس کے خــون اور امن وامــان کی حفــاظت واجب ہے!اس کـــا مطلب یہ نہیں کہ ہم مشــــرکوں کے درمیــــان اقامت اختیار کرنے والوں کو کافر قرار دیـتے ہیں، اگرچہ نبیﷺ کی ظاہری بات ایسی چیز کا تقاضہ کــرتی ہے۔ مگــر ہم کہتے ہیں کہ وہ مســلمان ہیں لیکن(حملہ ہونے پــر ان کے مــارے جــانے کی صورت میں)حملہ کرنے والے پر زیـادہ سـے زیـادہ جو حکم لاگــو ہوتـا ہے، وہ اُن کی نصـف دیت کـا ہے‘‘۔

(بحوالہ ’’حقیقة الحرب الصلیبیة الجدیدة ‘‘)

اس کی دلیل یہ ہے کہ الترمذی نے اپنی سنن میں جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ :

((عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ سَرِيَّةً إِلَى خَثْعَمٍ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ بِالسُّجُودِ فَأَسْرَعَ فِيهِمْ الْقَتْلَ فَبَلَغَ ذَلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ أَنَا بَرِيءٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ يُقِيمُ بَيْنَ أَظْهُرِ الْمُشْرِكِينَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَلِمَ قَالَ لَا تَرَايَا نَارَاهُمَا))

’’نبی ﷺنے خثعم قبیلہ کی طرف ایک دستہ بھیجا، تو ان لوگوں نے سجدوں میں پناہ لی، تو وہ جلدی سے قتل کردیئے گئے، تو جب یہ خبر نبی ﷺتک پہنچی، تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُن کے لیئے آدھی دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:’’میں ہر اُس مسلمان سے بری ہوں کہ جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہے‘‘صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا، کیوں یا رسول اللہﷺ؟ آپ ﷺنے فرمایا:’’کیونکہ انہیں اتنہ فاصلہ پر ہونا چاہیئے تھا کہ انہیں ایک دوسرے کی آگ نظر نہ آتی‘‘۔

(سنن الترمذی،ج۶،ص۱۳۸،رقم :۱۵۳۰۔سنن ابی داود،ج۷،ص۲۳۷،رقم :۲۲۷۴)

ایک اورروایت جوکہ حضرت سمرہ بن جندب ؓسے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺنے فرمایا:

((لَا تُسَاكِنُوا الْمُشْرِكِينَ وَلَا تُجَامِعُوهُمْ فَمَنْ سَاكَنَهُمْ أَوْ جَامَعَهُمْ فَهُوَ مِثْلُهُمْ))

’’مشرکوں کے ساتھ رہائش اختیار نہ کرو اور نہ اُنکے ساتھ اکھٹے ہوں سو جو کوئی اُنکے ساتھ

رہتا ہے یا اُن کے ساتھ اختلاط کرتا ہے، تو وہ اُنہی کی مانند ہے‘‘۔

(سنن الترمذی،ج۶،ص۱۳۸،رقم الحدیث:۱۵۳۰)

علامہ مبارکپوری ؒاس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

’’(فاعتصم ناس بالسجود)ای ناس من المسلمین الساکنین فی الکفار,سجدوا باعتماد أن جیش الاسلام یترکوننا عن القتل حیث یروننا ساجدین ،لأن الصلاۃ علامۃ الایمان (فأمر لھم بنصف العقل)أی بنصف الدیۃ‘‘۔

’’صحابہ کا یہ قول کہ ان لوگوں نے سجدوں میں پناہ لی یعنی مسلمانوں کے وہ لوگ کہ جو کفار کے ساتھ رہائش اختیار کئے ہوئے تھے، انہوں نے اس اعتماد کے ساتھ سجدے کئے کہ اسلامی لشکر ہمیں سجدوں میں دیکھ کر قتل نہیں کرے گا کیونکہ نماز ایمان کی علامت ہے۔ تو نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اُنہیں آدھی دیت کا حکم دیا یعنی آدھی دیت‘‘۔

امام الخطابیؒفرماتے ہیں :

’’قال الخطابی فی معناہ ثلاثۃ وجوہ:قیل:معناہ لا یستوی حکمھما،وقیل:معناہ أن اللہ فرق بین داری الاسلام والکفر:فلا یجوز لمسلم أن یساکن الکفار فی بلادھم حتی اذا أوقدوا نارا کان منھم حیث یراھا،وقیل:معناہ لا یتسم المسلم بسمۃ المشرک ولا یتشبہ بہ فی ھدیہ وشکلہ‘‘

’’وہ ایک دوسرے کی آگ کو نہ دیکھیں کے معنی کی تین شکلیں ہیں: (۱)کہا گیا کہ اس کا معنی

ہے کہ اُن دونـوں کـا حکم برابـر نہیں اور(۲) کہا گیـا کہ اس کـا معـنی یہ ہے کہ اسـلام ور کفـر کے ملکوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فـرق کیـا ہے۔ سو، کسی مسـلمان کے لیئے یہ جـائز نہیں کہ وہ کفّار کے ساتھ رہائش اختیار کرے حتی کہ اگـر وہ آگ جلائیں، تو وہ اُن سے اتنی دوری پـر ہو کہ وہ اس آگ کـــونہ دیکھ ســـکے۔ اور(۳) کہا گیــا کہ مسلمان، مشرک کی صفت سے متّصف نہ ہو اور نہ اُسـکی شـکل وصـورت اور اسـکے طـریقہ کی مشابہت اختیار کرے‘‘۔

حافظ شمس الدین ابن القیم ؒنے (عـون المعبـود)کے اپنے حاشیے میں فرمایا کہ:

’’قَالَ بَعْض أَهْل الْعِلْم:اِنَّمَا أَمَرَ لَهُمْ بِنِصْـفِ الْعَقْـل بَعْد عِلْمه بِإِسْلَامِهِمْ ،لِأَنَّهُمْ قَدْ أَعَانُوا عَلَى أَنْفُسهمْ بِمَقَــامِهِمْ بَيْن ظَهْــرَانَىْ الْكُفَّار،فَكَـانُوا كَمَنْ هَلَـكَ بِجِنَايَةِ نَفْسه وَجِنَايَة غَيْره.وَهَذَا حَسَن جِــدًّا.وَالَّذِى يَظْهَر مِنْ مَعْنَى الْحَدِيث:أَنَّ النَّار هِىَ شِـعَار الْقَـوْم عِنْـد النُّزُول وَعَلَامَتهمْ ،وَهِىَ تَـدْعُو اِلَيْهِمْ ،وَالطَّارِق يَأْنَس بِهَا،فَاِذَا أَلَمَّ بِهَا جَـاوَرَ أَهْلهَـا وَسَـالَمَهُمْ.فَنَـار الْمُشْـــرِكِينَ تَــــدْعُو اِلَى الشَّـــيْطَان وإِلَى نَـــار الْآخِـرَة،فَإِنَّهَـا اِنَّمَـا تُوقَـد فِى مَعْصِـيَة اللّه ،وَنَـار الْمُــؤْمِنِينَ تَــدْعُو اِلَى اللّه وَاِلَى طَـاعَته وَاِعْــزَاز دِينه،فَكَيْـف تَتَّفِـق النَّارَانِ،وَهَـذَا شَـأْنهمَا؟وَهَـذَا مِنْ أَفْصَح الْكَلَام وَأَجْزَله،الْمُشْتَمِل عَلَى الْمَعْنَى الْكَثِـير الْجَلِيل بِأَوْجَز عِبَارَة.وَقَدْ رَوَى النَّسَائِىُّ مِنْ حَدِيث بَهْــز بْن حَكِيم عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَــدِّ قَــال((قُلْت يَــا رَسُول اللّه مَا أَتَيْتُک حَتَّى حَلَفْت أَكْثَـر مِنْ عَـدَد هنَّ لِأَصَـابِع يَـدَيْه أَنْ لَا آتِيـک،وَلَا آتِي دِينـک،وَاِنِّى كُنْت اِمْـرَأً لَا أَعْقِـل شَيْئًا اِلَّا عَلَّمَنِى اللّه وَرَسُـوله،وَاِنِّى أَسْأَلک بِوَجْه اللّه:بِمَ بَعَثَک رَبّنَا اِلَيْنَا ؟قَالَ:بِالْاِسْـلَام ، قُلْت:وَمَـا آيَـات الْاسْـلَام؟قَـالَ:أَنْ تَقُـول:أَسْـلَمْت

وَجْهِی اِلَی اللّٰہ وَتَخَلَّیْت،وَتُقِیم الصَّلَاۃ،وَتُؤْتِی الزَّکَاۃ،کُلّ الْمُسْلِم عَلَی الْمُسْلِم مُحَرَّم، أَخَوَانِ نَصِیرَانِ،لَا یَقْبَل اللّٰہ مِنْ مُشْرِک بَعْد مَا یُسْلِم عَمَلًا،أَوْ یُفَارِق الْمُشْرِکِینَ اِلَی الْمُسْلِمِینَ))۔وَقَدْ ذَکَرَ أَبُو دَاوُدَ مِنْ حَدِیث سَمُرَة عَنْ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ((مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِک وَسَکَنَ مَعَهُ فَاِنَّہُ مِثْلہ))وَفِی الْمَرَاسِیل لِأَبِی دَاوُدَ عَنْ مَکْحُول عَنْ النَّبِیّ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ((لَا تَتْرُکُوا الذُّرِّیَّة اِزَاء الْعَدُوّ))۔

’’بعض اہل علم نے کہا کہ آپہنے اُن (خثعم قبیلہ)کے اسلام کو جاننے کے بعد اُن کے لیئے آدھی دیت کا حکم صرف اس لئے دیا کیونکہ انہوں نے کفار کے درمیان مقیم رہ کر (اپنے قتل)کی راہ ہموار کی، تو وہ اُس شخص کی مانند ہوئے کہ جو اپنے جرم اور دوسرے کے جرم سے ہلاک ہوا ہو۔ اور یہ بہت اچھا ہے اور حدیث سے جو معنی ظاہر ہوتا ہے کہ بلاشبہ آگ ہی کسی قوم کے قیام کا شعار اور علامت ہوتی ہے اور یہی (مسافروں وغیرہ)کو ان کی طرف بلاتی ہے اور نیا آنے والا اس سے مانوس ہوتا ہے، تو جب وہ انہیں جانتا ہے تو انکا پڑوسی بنتا اور ان سے مراسم قائم کرتا ہے‘‘ لٰذامشرکوں کی آگ شیطان کی طرف اور آخرت کی آگ کی طرف دعوت دیتی ہے کیونکہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی معصیت میں جلائی جاتی ہے جبکہ مؤمنوں کی آگ، اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور اُسکی اطاعت اور اسکے دین کی عزت کی طرف دعوت دیتی ہے۔ تو دونوں آگ کیونکر اکھٹی ہوسکتی ہیں اور یہی اُنکی شان ہے؟ اور یہ فصیح ترین اور قوی ترین بات ہے جو کئی واضح معنوں اور بہترین عبارت پر مشتمل ہے۔امام النسائی نے بہز بن حکیم سے روایت کیا ہے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے

اپنے دادا سے بیان کیا کہ انہوں نے کہا:’’میں نے کہا، یا رسول اللہ، میں آپ کے پاس ایسے وقت آیا ہوں کہ جب میں نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کی تعداد سے بھی زیادہ مرتبہ قسم اُٹھائی تھی کہ نہ تو میں آپ کے پاس آؤں گا اورنہ آپ کے دین پر (ایمان نہ لاؤں گا)۔ میں تو کسی چیز میں بھی عقل نہیں رکھتا تھا، مگر مجھے اللہ اور اسکے رسول نے سکھایا۔ میں آپ‌سے سوال کرتا ہوں کہ:اللہ نے آپ ﷺ کو ہماری طرف کس چیز کے ساتھ بھیجا ہے؟ تو آپ‌نے فرمایا:اسلام کے ساتھ، میں نے کہا کہ؛ اسلام کی نشانیاں کیا ہیں؟ آپ‌نے فرمایا کہ:’’تو یہ کہے کہ میں اللہ پر ایمان لایا اوراسکے علاوہ(کسی چیز کی عبادت)کوچھوڑ دیا اور تو نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے۔ ہر مسلمان، دوسرے مسلمان کے لیئے حرام ہے۔ دونوں مددگار بھائی ہیں،اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی مشرک کے اسلام لانے کے بعد کوئی عمل اُس وقت تک قبول نہیں کرتا کہ جب تک وہ مشرکوں کو چھوڑ کر مسلمانوں میں نہیں آجاتا‘‘۔اور ابو داؤد نے سمرہ کی حدیث بیان کی کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت ہے:’’جو کوئی مشرک کے ساتھ اکھٹا ہوتا اور اس کے ساتھ رہائش اختیار کرتا ہے، تو وہ اُسی کی مانند ہے‘‘۔ ابوداؤد کی مراسیل میں مکحول سے روایت ہے کہ نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت ہے کہ:’’اپنی ذریت (اولاد)کو دشمن کے قریب مت چھوڑو‘‘۔

(عون المعبود،ج۶،ص۷۳،رقم:۲۲۷۴)

صاحب عون المعبود فرماتے ہیں:

’’(اِلَی خَثْعَمَ):قَبِیلَة(فَـأَمَرَ لَهُمْ بِنِصْـفِ الْعَقْـلِ):أَیْ بِنِصْـفِ الدِّیَـة.قَـالَ فِی فَتْح الْـوَدُود :لِأَ نّهُمْ أَعَـانُوا عَلَی أَنْفُسـهمْ بِمُقَـامِهِمْ بَیْن الْکَفَـرَة ،فَکَـانُوا کَمَنْ هَلَـکَ بِفِعْـلِ نَفْسِـهِ وَفِعْـل غَیْـرِهِ فَسَـقَطَ حِصَّـة جِنَایَتِهِ(بَیْن أَظْهُر الْمُشْرِکِینَ):أَیْ بَیْنهمْ وَلَفْظ أَظْهُر مُقْحَم(لَا تَرَایَا نَارَاهُمَا)

’’(خثعم کی طرف)، یہ ایک قبیلہ ہے، اُن کے لیـئے (نصف العقـل کـا حکم دیـا)ہ اور(فتح الـودود)میں کہا:چونکہ انہوں نے کفّار کے درمیان مقیم ہو کـر خـود پـر (ہلاکت کی)راہ ہمـوار کی تھی، تـو وہ اس شخص کی مانند ہوگـئے، جـو اپـنے اور کسـی دوسرے کے فعل سے ہلاک ہوا ہو، اُسکے حصّے کے جرم کی دیت گـر گـئی۔مشـرکوں کے درمیـان یعـنی اُن کے درمیـان اور یہاں لفـظ’’اظهـر‘‘زائـد ہے۔ایـک دوسـرے کی آگ کـو نہ دیکھیں۔ اسـی طـرح بعض کتـابوں کے نسـخوں میں ہے اور بعض میں’’ ترائی ‘‘کا لفظ ہے‘‘۔

(عون المعبود،ج۶،ص۷۳،رقم:۲۲۷۴)

اور آخر میں آپ فرماتے ہیں:

’’أَیْ یَلْزَم الْمُسْلِم وَیَجِب عَلَیْهِ أَنْ یَتَبَاعَد مَنْـزِلِ عَنْ مَنْزِلِ الْمُشْـرِک وَلَا یَنْـزِلِ بِالْمَوْضِـعِ الَّذِیاِنْ أُوقِـدَتْ فِیهِ نَار تَلُوح وَتَظْهَر لِلْمُشْرِکِ اِذَا أَوْقَدَهَا فِی مَنْزِلهِ ، وَلَکِنَّـهُ یَنْزِل مَعَ الْمُسْلِمِینَ ،وَهُوَ حَثّ عَلَی الْهِجْرَة ‘‘

’’چنانچہ مسلمانوں پـر لازم اور واجب ہے کہ اُس کا گھر، مشرک کے گھـر سـے دور ہونـا چـاہیے اور نہ وہ ایسـی جگہ مقیم ہو کہ جہاں اگـر اُسـکی آگ جلائی جـائے، تـو اُسـکے شـعلے مشـرکوں کے سـامنے ظـاہر ہوں اور جب وہ یہ آگ اپـنے گھـر

میں جلائے۔ بلکہ اُسے مسلمانوں کے ساتھ مقیم ہونا چاہیے اوریہ ہجرت پر اُبھارنا ہے ‘‘۔

(عون المعبود،ج۶،ص۷۳،رقم:۲۲۷۴)

آج بلاشبہ جو مسلمان شخص بھی کفارکے عالمی اقتصادی ،عسکری،انتظامی اور تجارتی مراکز میں کام کرتا ہے، تو وہ یقینی طور پر جنگجو ملک کے اہم ترین اقتصادی مراکز میں کام کرتا ہے۔ لٰذا، جو مسلمان، کافر طاقت کے خلاف کوئی کاروائی کرنا چاہتے ہیں اور وہ کافروں کے درمیان مسلمانوں کو پہچان نہ سکیں، تو اس کے ساتھ کفار کے شریکِ کار کامعاملہ کریں گے اور اُن کے لیئے اُس کا یہی دنیاوی(شرعی حکم)ہوگا، مگر آخرت کا نہیں ہے اور اسکی دلیل صحیحین وغیرہ میں جو آیا ہے کہ عائشہؓ نے کہاکہ رسول اللہﷺنے نیند میں کچھ حرکت کی، تو ہم نے کہا یا رسول اللہ ﷺ، آپ نے نیند میں کوئی حرکت کی ہے کہ جو آپ پہلے نہیں کرتے تھے، تو آپ ﷺنے فرمایا:

((الْعَجَبُ اِنَّ نَاسًا مِنْ أُمَّتِی يَؤُمُّونَ بِالْبَيْتِ بِرَجُلٍ مِنْ قُرَيْشٍ قَدْ لَجَأَ بِالْبَيْتِ حَتَّى اِذَا كَانُوا بِالْبَيْدَاءِ خُسِفَ بِهِمْ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ اِنَّ الطَّرِيقَ قَدْ يَجْمَعُ النَّاسَ قَالَ نَعَمْ فِيهِمْ الْمُسْتَبْصِرُ وَالْمَجْبُورُ وَابْنُ السَّبِيلِ يَهْلِكُونَ مَهْلَكًا وَاحِدًا وَيَصْدُرُونَ مَصَادِرَ شَتَّى يَبْعَثُهُمْ اللَّهُ عَلَى نِيَّاتِهِمْ))۔

’’تعجب ہے کہ میری اُمت کے کچھ لوگ اللہ کے گھر (کعبہ)میں پناہ لیئے ہوئے قریش کے ایک آدمی پر حملہ کے لئے اس گھر کی طرف آئیں گے حتی کہ جب وہ ایک صحرا پر پہنچیں گے، تو اُنہیں زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔تو ہم نے کہا کہ یا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم راستہ سے بھی لوگ اکھٹے ہوجاتے (اس میں شامل ہوتے

ہیں)۔آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:جی ہاں، ان میں جاننے بوجھنے والا (صاحبِ بصیرت)بھی ہوگا اور مجبور بھی اور مسافر بھی، سب کو ایک ہی طریقہ پر ہلاک کردیا جائے گا، مگر وہ مختلف طریقوں سے اُٹھائے جائیں گے، (قیامت کے روز)اللہ سبحانہ وتعالیٰ، اُنہیں اُن کی نیتوں پر اُٹھائے گا۔''

(صحیح مسلم،ج۱۴،ص۵۵،رقم الحدیث:۵۱۳۴)

بخاری کی روایت میں ہے کہ عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے کہا یا رسول اللہﷺ، اُن کے شروع سے لیکر اُن کے آخر تک (سب کو)زمین میں دھنسا دیا جائے گا، حالانکہ اُن میں سے تو ایسے لوگ بھی ہوں گے کہ جو خرید وفروخت کے لئے آئے ہوں گے اور ایسے بھی ہوں کہ جن کا اُن سے کوئی تعلق نہیں ہوگا؟ آپﷺنے فرمایا:

((یخسف بأولھم وآخرھم ثم یبعثون علی نیاتھم))

''اُن کے شروع اور اُن کے آخر(سب کو)زمین میں دھنسا دیا جائے گا، پھر اُنہیں اُن کی نیتوں پر اُٹھایا جائے گا''۔

الترمذی نے صفیہؓ کی حدیث میں یہ الفاظ زیادہ ہیں کہ:

((ولم ینج أوسطھم))

''اور اُن کے درمیان میں سے کوئی بھی نجات نہ پائے گا''۔

اورحفصہؓ کی حدیث میں مسلم کے الفاظ ہیں:

((فلا یبقی الا الشرید الذی یخبر عنھم))

’’تو اُن میں سے صرف بھاگا ہوا بچے گا کہ جو اُن کے بارے میں بتائے گا‘‘۔

امـام ابن الحجـر ؒنے اس حـدیث کی تعلیـق میں کہا کہ:

’’أَیْ یُخْسَفُ بِالْجَمِیعِ لِشُؤْمِ الْأَشْرَارِ ثُمَّ یُعَامَلُ کُلُّ أَحَد عِنْد الْحِسَاب بِحَسَـبِ قَصْـدٍ، قَـالَ الْمُهَلَّب:فِی هَذَا الْحَـدِیث أَنَّ مَنْ کَثَّرَ سَـوَادَ قَـوْمٍ فِی الْمَعْصِـیَة مُخْتَارًا أَنَّ الْعُقُوبَةَ تَلْزَمُـ مَعَهُمْ .قَالَ وَاسْـتَنْبَطَ مِنْـ مَالِـکٌ عُقُوبَـةَ مَنْ یُجَـالِسُ شَـرَبَةَ الْخَمْـرِ وَاِنْ لَمْ یَشْرَبْ ‘‘

’’برے لوگوں کی نحوست کے سبب، سب کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا، پھر ہر ایک سے حساب کتـاب کے وقت (قیـامت کے روز)اُسـکے ارادے کے مطـابق معـاملہ کیـا جـائے گـا‘‘۔ امـام المہلب نے فرمایـا کہ:’’اس حـدیث سے پتہ چلتـا ہے کہ جـو کـوئی کسـی قـوم کی معصـیت میں، اُنکی تعـداد میں، خود مختاری میں اضافہ کرتا ہے، تو بلاشـبہ اُن کے ساتھ، اس پـر بھی سـزا لازم ہوتی ہے،اور کہا کہ امام مالک نے اس (حدیث)سے اُس شـخص کی سزا پـر اسـتدلال کیـا ہے کہ جـو شـراب پیـنے والـوں کے سـاتھ بیٹھتـا ہے اگـرچہ اُس نے شـراب نہیں پی ہوتی‘‘۔

(فتح الباری لابن حجر،ج۶،ص۴۴۲،رقم الحدیث:۱۹۷۵)

امـــام ابن تیمیہؒ نے (الفتـــاوٰی الکـــبریٰ)اور اُ ن کے شـاگرد ابن القیم aنے اس حــدیث سـے ایسـی شـوکت وقوت والی جنگجو جمـاعت کے خلاف لـڑنے پـر اسـتدلال کیا ہے کہ جن میں خواہ مسلمان ہی موجود ہوں کہا کہ اُنہیں ایـک ہی طـرح سـے ہلاک کیـا جـائے گـا جبکہ

(قیامت کے دن)مختلف حالتوں (اپنی نیتوں پر اُٹھائے جائیں گے)۔

لہٰذا، کافر کے اسٹریجٹک مراکز میں جو مسلمان کام کرتے تھے، وہ شرعی حکم میں اُس شخص کی مانند ہیں کہ جو جنگ میں کفارکی مدد کرتا ہے۔ یہ دنیاوی حکم ہے اور اُن پر اس حکم کا امکان بھی ہے کہ اُن کے ساتھ جو کچھ ہوگا، وہ اُن کفار کی تعداد میں اضافہ کا باعث بننے اور انہیں فائدہ پہنچانے کی سزا ہے۔ واللہ اعلم

امام احمد کی کتاب (الزہد)میں ابن دینار سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں میں سے ایک نبی کی طرف وحی کی کہ:

((قل لقومک لا تدخلوا مداخل أعدائی ولا تلبسوا ملابس أعدائی ولا ترکبوا مراکب أعدائی فتکونوا أعدائی کماھم أعدائی))

’’اپنی قوم سے کہہ دیجئے کہ میرے دشمنوں کے داخل ہونے کی جگہ میں داخل نہ ہوں اور نہ میرے دشمن والا لباس پہنو، اور نہ میرے دشمن کی سواریوں پر سوار ہو، ورنہ تم میرے اُسی دشمن کی طرح ہوجاؤ گے کہ جیسے وہ میرے دشمن ہیں‘‘۔

(کذافی فتح القدیر للمناوی ،وقال العلقمی فی الکوکب المنیر شرح الجامع الصغیر حدیث سمرہ اسنادہ حسن)

سیدنا عبداللہ بن عمر ؓرسول اللہ ﷺسے مروی ایک حدیث کو بیان فرماتے ہیں :

((كَانَ اِذَا أَنْزَلَ اللّٰہُ بِقَوْمٍ عَذَابًا أَصَابَ الْعَـذَابَ مَنْ كَانَ فِيْهِمْ ثُمَّ بُعِثُوْا عَلٰى أَعْمَالِهِمْ))

’’جب اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نازل کرتا ہے تو عذاب ان سب لوگوں پر آتـا ہے جـو ا س قـوم میں شامل ہوتے ہیں،پھر ان کو ان کے اعمال کے مطابق اٹھایاجائے گا ۔(اگر کوئی ان میں نیک ہوگا تـو ثـواب کاحقـدار ٹھہرے گـاجو بـاقی ہوں گے وہ عذاب میں مبتلاکیے جائیں گے)‘‘۔

(صحیح البخاری،ج۲۲،ص۳،رقم الحدیث:۶۵۷۵،صحیح مسلم،ج۱۴،ص۴۵،رقم الحدیث:۵۱۲۷)

مذکورہ بالاحدیث مبارکہ کی تشریح بیان کـرتے ہوئے حافظ ابن حجر ؒفرماتے ہیں :

’’وَيُسْـتَفَاد مِنْ هَـذَا مَشْـرُوعِيَّة الْهَـرَب مِنْ الْكُفَّار وَمِنْ الظَّلَمَـة لِأَنَّ الْإِقَامَـة مَعَهُمْ مِنْ اِلْقَـاءِ النَّفْس الَى التَّهْلُكَة،هَـذَا اِذَا لَمْ يُعِنْهُمْ وَلَمْ يَـرْضَ بِأَفْعَـالِهِمْ فَـاِنْ أَعَـانَ أَوْ رَضِـىَ فَهُـوَ مِنْهُمْ .وَأَمَّا فِى الـدُّنْيَا فَمهمَا أَصَابَهُمْ مِنْ بَلَاء كَانَ تَكْفِيرًا لِمَا قَـدَّمُوهُ مِنْ عَمَل سَيِّئ،فَكَانَ الْعَـذَاب الْمُرْسَـل فِى الـدُّنْيَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا يَتَنَاوَل مَنْ كَانَ مَعَهُمْ وَلَمْ يُنْكِر عَلَيْهِمْ فَكَـانَ ذَلِـكَ جَـزَاء لَهُمْ عَلَى مُـدَاهَنَتهمْ ، ثُمَّ يَـوْمَ الْقِيَامَة يُبْعَث كُلّ مِنْهُمْ فَيُجَازَى بِعَمَلِهِ ‘‘

’’اس حدیث رسـول ﷺسـے معلـوم ہواکہ کـافروں اورظـالموں کے علاقے اورملـک سـے بھـاگ جانـا چاہیے یعـنی کفـر وظلم والی سـرزمین سے نکـل جاناچاہیے ،کیونکہ کافروں اورظالموں کے درمیان رہائش اختیار کرنا اور زندگی گزارنا گویا اپـنے آپ کو ہلاکت میں ڈالـنے کے مـترادف ہے ،یہ معـاملہ تــــو اس وقت ہے جب کــــوئی ان کــــافروں اور ظـالموں کـا تعـاون نہ کـرے اور ان کـافروں اور

ظالموں کے اقدامات اورکاروائیوں کو ناپسند کرتا ہو۔لیکن اگر(کسی بھی قسم)کی معاونت کرے یا اس پر راضی رہے تو وہ انہیں میں سے ہے.اور جو دنیا میں ظالموں پر بھیجے جانے والا عذاب ان لوگوں کو بھی ظالموںمیں شامل کرلیتا ہے جو ان ظالموں کو ان کے ظلم سے نہ روکیں ۔ اس لئے یہ ان کی جزاء ہے جو ظالموں کو روکنے میں مداہنت کا شکار ہوگئے۔پھر قیامت کے دن ہر کوئی آدمی اپنے عمل کے مطابق اٹھایا جائے گا اوراس کے مطابق جزاء دی جائے گی ‘‘۔

(فتح الباری:ج۲۰،ص۱۱۳،رقم الحدیث:۶۵۷۵)

اس مسئلے کو واضح کرتے ہوئے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ ؒمزید فرماتے ہیں :

’’جب یہ بات واضح ہے کہ جہاد کو جاری رکھنا واجب اور فرض ہے اس کی خاطر چاہے کتنے ہی مسلمان قتل ہوجائیں لٰہذا جو مسلمان کافروںکی صفوں میں ہوں انہیں ’’جہاد فی سبیل اللہ‘‘کی ضرورت اور حاجت کی بناء پر اضطراراً قتل کرنا جہاد کو موقوف کرنے اور ختم کرنے کے جرم سے بڑا جرم نہیں ہے‘‘۔

(التبیان فی اھم مسائل الکفر والایمان،لفضيلة الشيخ ابوعمرو عبد الحکیم حسان)

چناچہ شیخ یوسف العیری رحمہ اللہ کفار کے ملکوں میں رہائش پذیر مسلمانوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں :

’’ولا أنسى فی هذا المقام أن أنصح اخواننا المسلمین الذین یسکنون بین أظهر المشرکین سواءً کانوا معذورین أو غیر معذورین،ألا ینسوا

أنهم هم أول المعنيين بمعانى الولاء والبراء والمظاهرة للأعداء،فلا تغرهم الحياة الدنيا ولا يغرنهم باللّٰہ الغرور،فأهم ما يحفظہ العبد هو دينہ وعقيدتہ ولو عاش فقيراً ومات هو وأبناؤہ من الجوع خيرلہ من أن يعيش غنياً ويموت هو وأبناؤہ على غير ملة الاسلام فالدنيا فانية والآخرة هى الحيوان لو كانوا يعلمون‘‘.

’’اس مقام پر میں اپنے اُن مسلمان بھائیوں کو نہیں بھولوں گا کہ جو مشرکوں کے درمیان رہائش پذیر ہیں خواہ وہ معذور ہوں یا غیر معذور، وہ مت بھولیں کہ الولاء والبراء اور المظاہرہ للاعداد (دشمنوں کی مدد کرنے)کے معنوں میں سب سے پہلے مخاطب وہی ہیں لہٰذا، دنیا کی زندگی اُنہیں دھوکے میں نہ رکھے اور شیطان، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے بارے میں اُنہیں کسی دھوکے میں نہ رکھے۔ کیونکہ بندے کی اہم ترین چیز جو حفاظت کے قابل ہے وہ اُس کا دین اور اُس کا عقیدہ ہے خواہ وہ فقیر ہو کر ہی زندگی گزارے اور وہ اور اُسکی اولاد بھوک سے مر جائیں یہ اُس سے بہتر ہے کہ وہ غنی ہو کر زندگی گزارے اور وہ اور اسکی اولاد ملّتِ اسلام کے علاوہ کسی اور دین پر مریں کیونکہ یہ دنیا فانی ہے اور آخرت ہی حقیقی زندگی ہے اگر وہ جانتے ہوں ‘‘۔

(بحوالہ ’’حقيقة الحرب الصليبية الجديدة‘‘)

غفلت میں ڈوبے ہوئے مسلمانوں سے خطاب

ہم اپنی گفتگوشیخ یوسف العیری شہیدکے اس کلام پر ختم کرتے ہیں کہ:

’’وختاماً فانی لا أجد قولاً أخاطب بہ المتخاذلین والمنهزمین من أبناء الأمة، الا ما قالہ ابن الجوزی للمسلمین عندما دهمت الحرب الصلیبیة الثانیة أرض المسلمین ودخل الصلیبیون أطراف بلاد المسلمین فخاطب الناس بقول بلیغ نحن الیوم بأمس الحاجةالی تلک الخطبة وأنا أنقلها لمطابقتها لواقعنا ‘‘

’’اختتام میں اُمت کے جہاد سے کنارہ کشی کرنے والوں اور شکست خوردہ ذہنوں کے مالک لوگوں کو کہنے کے لیئے میرے پاس ابن الجوزی رحمہ اللہ کے مسلمانوں کے اُس خطاب سے بہتر اور کچھ نہیں کہ جب دوسری صلیبی جنگ نے مسلمانوں کی سرزمین کو روندا اور صلیبی، مسلمان ملکوں کے اطراف میں آگئے، تو آپ (ابن الجوزی) نے لوگوں کو ایسا بلیغ خطاب دیا کہ جس کی آج ہمیں شدید ضرورت ہے اور میں اپنے اِن حالات کے مطابق اُس خطبے کو نقل کر رہا ہوں۔

(حقیقة الحرب الصلیبیة الجدیدة،ص۱۱۲)

پھرشیخ یوسف العیری شہیدؒ مسلمان ملکوں پر صلیبی حملے کے دنوں میں ابن الجوزی ؒ نے لوگوں سے دمشق کی جامع مسجد میں جوخطبہ دیا تھا اس کو نقل کرتے ہیں ؒابن الجوزی ؒنے فرمایا:

’’أیها الناس مالکم نسیتم دینکم وترکتم عزتکم وقعدتم عن نصر اللہ فلم ینصرکم،حسبتم أن العزة للمشرک وقد جعل اللہ العزة للہ ولرسولہ وللمؤمنین،یا ویحکم أما یؤلمکم ویشجی نفوسکم

مرأی عدو اللّٰہ وعدوکم یخطـر علی أرضـکم الـتی سـقاھا بالـدماء آبـاؤکم ، یـذلکم ویسـتعبدکم وأنتم کنتم سادت الدنیا،أما یھز قلوبکم وینمّی حماستکم مـرأی اخوانـاً لکم قـد أحـاط بھم العـدو وسـامھم ألـوان الخسـف ، أفتـأکلون وتشـربون وتتنعمـون بلذائـذ الحیـاۃ واخـوانکم ہنـاک یتسرھلون اللھب ویخوضون النار وینامون علی الجمر ؟!!

یا أیھـا النـاس انھـا قـد دارت رحی الحـرب ونـادی منادی الجھاد وتفتحت أبواب السماء،فان لم تکونوا من فرسان الحرب فافسحوا الطریق للنساء یدرن رحاھا ،واذھبوا فخذواالمجامر والمکاحـل یـا نسـاءً بعمـائم ولحی.أو لا ؟.فـالی الخیـول وھـاکم لجمھـا وقیودھا .

یـــا نـــاس أتـــدرون ممـــا صـــنعت ھـــذہ اللجم والقیود ؟.لقد صـنعھا النسـاءمن شـعورھن لأنھن لا یملکن شیئاً غیرھا ، ھـذہ واللّٰہ ضـفائر المخـدرات لم تکن تبصرھا عین الشـــمس صـــیانة وحفظـــاً ، قطعنھـا لأن تـاریخ الحب قـد انتھی، وابتـدأ تـاریخ الحـرب المقدسـة،الحـرب فی سـبیل اللّٰہ ثم فی سبیل الدفاع عن الأرض والعرض .فـاذا لم تقـدروا علی الخیل تقیدونھا فخـذوھا فاجعلوھـا ذوائب لکم وظفائر انھا من شعور النساء،ألم یبق فی نفوسکم شعور؟.وألقی اللجم من فـوق المنـبر علی رؤوس الناس وصرخ :میدی یا عمـد المسـجد وانقضـی یـا رجوم وتحرقی یـا قلـوب ألمـاً وکمـداً ، لقـد أضـاع الرجال رجولتھم ‘‘۔

’’اے لوگو.........!تمہیں کیا ہوگیا ہے، تم اپنے دین کو بھول گئے ہو اور تم نے اپنی عزّت کو چھوڑ دیـا اور تم اللہ (کے دین)نصرت سے بیٹھ گـئے، تـو اُس (اللہ)نے بھی تمہاری مـدد نہیں کی، تم نے گمـان

کرلیا کہ عزت مشرک کے لئے ہے، اللہ نے تو عزت صرف اللہ، اُس کے رسول اور مؤمنوں کے لیئے رکھی ہے۔

اے لوگو.........!برا ہو تمہارا، کیا اس منظر سے تمہیں تکلیف نہیں ہوتی اور تم غمگین نہیں ہوتے کہ اللہ کا دشمن اور تمہارا دشمن، تمہاری اُن سرزمینوں کے لیئے خطرہ بنا ہوا ہے کہ جسے تمہارے آباء واجداد نے اپنے خون پلائے ہیں یہ دشمن تمہیں ذلیل کرے گا اور تمہیں غلام بنائے گا، تمہیں کہ جو دنیا کی سیادت کرتے تھے۔ کیا اس منظر سے تمہارے دل نہیں پھڑکتے اور تمہارے جذبات نہیں بھڑکتے کہ دشمن نے تمہارے بھائیوں کو گھیر رکھا ہے۔ اور وہ اُنہیں طرح طرح سے ذلیل ورسوا کر رہا ہے؟کیا تم کھاتے، پیتے ہو اور زندگی کی نعمتوں سے لذّتیں اُٹھاتے ہو جبکہ تمہارے بھائی وہاں شعلوں میں گھرے ہوئے ہیں اور آگ میں گھس جاتے ہیں اور کوئلوں پر سوتے ہیں.........!

اے لوگو ....!یقیناً جنگ بھڑک اُٹھی ہے اور جہاد کی منادی ہوچکی اور آسمان کے دروازے کھل گئے ہے تو، اگر تم جنگ کے شہ سوار نہیں بنتے، تو عورتوں کے لئے یہ راستہ چھوڑ دو کہ وہ یہ جنگ لڑیں، جاؤ اور خوشبوئیں اور سُرمہ لگاؤ اے پگڑیوں اور داڑھیوں والی عورتو ں.........!(اور اگر ایسا نہیں ہے) تو لپکو گھوڑو ں کی طرف، یہ رہیں اُن کی لگامیں اور اُنکی رسّیاں۔

اے لوگو.........!کیا جانتے ہو کہ لگامیں اور رسّیاں کس چیز سے بنائی گئیں ہیں؟ اُنہیں عورتوں نے اپنے سر کے بالوں سے بنایا ہے۔ کیونکہ اُن کے پاس اس کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔

اللہ کی قسم! یہ تو پردہ دار عورتوں کے بالوں کی چوٹیاں ہیں کہ جن کی حفاظت اور پاکئ دامن کا یہ عالم تھا کہ جنہیں سورج کی آنکھ نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ اُن (عورتوں)نے اِنہیں کاٹ ڈالا ہے۔ کیونکہ محبت وعشق کی تاریخ ختم ہوچکی اور اب مقدس جنگ کی تاریخ شروع ہوچکی ہے۔ اللہ کی راہ میں جنگ،پھرزمین وعزت کے دفاع میں جنگ۔

تو، اگر تم ان کے ساتھ گھوڑوں کو باندھ نہیں سکتے، تو پھر اُنہیں لے لو اور اپنی زُلفیں اور بالوں کی چوٹیاں بنالو کیونکہ یہ عورتوں کے بالوں سے ہیں۔ کیا تم میں کوئی شعور نہیں؟(یہ کہتے ہوئے ابن الجوزی نے منبر کے اوپر سے لگامیں، لوگوں کے سر پر پھینکیں اور چیخے)’’اے مسجد کے ستونو ....جھک جاؤ.........اور اے شہابو(پتھروں).........برسو، اور اے دلو .... غیض وغضب سے تڑپ اُٹھو.........اس لئے کہ مردوں نے اپنی مردانگی کھو دیا ہے‘‘۔

(حقیقةالحرب الصلیبیة الجدیدة،ص۱۱۲)

شیخ یوسف العیری شہیدؒآخر میں فرماتے ہیں:

’’رحمک اللّٰہ هذا قولک لمن بلغ ملکهم الأندلس وبلاط الشهداء،فماذا ستقول لنا ؟ وبما ستصفنا لو رأیت حالنا الیوم؟‘‘

’’اللہ، آپ (ابن الجوزی)پر رحم کرے۔ اگر آپ کا یہ خطاب اُن لوگوں کے لئے ہے کہ جن کی حکمرانی اُندلس اور بلاط الشہداء جیسے معرکوں تک جا پہنچی تھی، تو، پھر آج ہمارے لئے کیا کہیں گے؟ اور اگر آج آپ ہماری یہ حالت

دیکھ لیں، تو ہمیں کن اوصاف سے مخاطب کریں گے؟‘‘

(حقیقةالحرب الصلیبیة الجدیدة،ص١١٢)

والصلاة والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

کافر کی موت سے لرزتا ہو جس کا دل ؟

فتوٰی ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر

لیکن جنابِ شیخ کو معلوم کیا نہیں ؟
مسجد میں اب یہ وعظ ہے بے سود و بے اثر

تیغ وتفنگ دستِ مسلماں میں ہے کہاں

ہو بھی، تو دل ہیں موت کی لذت سے بے خبر

کافر کی موت سے لرزتا ہو جس کا دل
کہتا ہے کون اسے کہ مسلماں کی موت مر

(اقبال)